سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

بسم الله الرحمن الرحيم

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیرِ مجلّہ کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔
ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیرِ مجلّہ کو ای۔ میل کی جائے۔

☆ ممکن ہے ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات ارسال کرے۔ اس صورت میں دیے گئے موضوعات پر تحقیقات ارسال کی جائیں۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ اختیار کیے جائیں اور درج ذیل تفصیل کے ساتھ مضمون کے آخر میں لگائے جائیں:

کتاب کا نام: ---------- مصنف کا نام: ---------- مطبع: ----------

سن طباعت: ---------- جلد نمبر ---------- صفحہ نمبر: ----------

☆ مجلّہ نور معرفت میں: علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تربیت، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ مجلّہ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلّہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر مجلّہ کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۷
۲	گفتنی ہا	مدیر	۹
۳	غیر مسلموں کے نیک اعمال کی حقیقت	ثاقب اکبر	۱۵
۴	قرآن اور ختم نبوت	سید حسنین عباس گردیزی	۳۱
۵	مذہب اہل بیت علیہ السلام میں کفر و کافر کا مفہوم	سید رمیز الحسن موسوی	۴۳
۶	حضرت امام رضا علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات کا اجمالی جائزہ	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	۶۰
۷	مہدویت : عامل وحدت	ڈاکٹر زاہد علی زاہدی	۷۳
۸	امام کے اوصاف نہج البلاغہ کی روشنی میں	روشن علی	۹۲
۹	زہد کی حقیقت	سید مزمل حسین نقوی	۱۲۴
۱۰	Abstract		۱۳۴

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''نور معرفت'' ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ اور طلاب کا اپنا جریدہ ہے۔ لہٰذا اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء مددگار ثابت ہوں گی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ آپ کی تحقیقی اور علمی تحریروں کا استقبال کیا جائے گا۔ تمام تحریریں، فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہییں۔

مدیر

سہ ماہی مجلّہ ''نورِ معرفت''

''نمت'' ایک نظر میں

''نمت'' (نور الہدیٰ مرکز تحقیقات) نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو علماء اور دانشوروں کی ایک پانچ رکنی علمی کمیٹی کی نگرانی میں فعالیت کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کی ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ لہٰذا دینی بصیرت و آگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور بیدار کرنے والی کتب کی تألیف، ترجمہ اور اشاعت اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کیلئے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ '' نور معرفت '' کی اشاعت، ''نمت'' کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

''نمت'' اپنی فعالیت کے تقریبا پانچ سالوں میں قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ حیات فاطمہ، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ، سول سوسائٹی، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباؤ، معجزہ کیا ہے اور پیام قرآن کی آخری تین جلدوں کا ترجمہ اس ادارے کی اب تک کی عمدہ مطبوعات ہیں۔

اس کے علاوہ سہ ماہی ''نور معرفت'' کی چار سال سے مسلسل اشاعت بھی ''نمت'' کا ایک عمدہ کارنامہ ہے۔ ''نمت'' قرآن و حدیث، فلسفہ و کلام، اخلاق و عرفان اور دیگر متنوع موضوعات پر مکتب اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کی روشنی میں اردو زبان میں بہتر سے بہتر لٹریچر پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے اور اسے اس نیک کام میں ملت مسلمہ کے عوام و خواص کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اداریہ

''نور معرفت'' اُردو زبان میں مکتب اہل بیت اطہارؑ کا علمی و تحقیقی ترجمان مجلّہ شمار ہوتا ہے یا نہیں، اس دعویٰ کی تصدیق تو نور معرفت کے قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ البتہ نور معرفت کی ٹیم ایک عرصے سے اسی جذبے اور احساس کے ساتھ اس مجلّہ کو علمی حلقوں تک پہنچا رہی ہے۔ مملکت خداداد پاکستان میں جہاں دوسرے اسلامی مذاہب وفِرق اپنے اپنے فہم اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے اسلامی جرائد ورسائل شائع کر رہے ہیں، وہاں مذہب اہل بیت اطہارؑ کی علمی ترجمانی کافریضہ ادا کرنے کے لئے مجلّہ نور معرفت بھی قرآن اور اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کی نشر واشاعت کی ذمہ داری پوری کرنے کی سعی کر رہا ہے۔

اس جریدے میں پوری کوشش کی جاتی ہے کہ تمام تر مسلکی تعصّبات سے بلند ہو کر اور حدیث ثقلین کی پیروی کرتے ہوئے'' اہل بیتؑ اور قرآن مجید ''کا پیغام تشنگان معارف تک پہنچایا جائے اور ملک میں موجود تمام مستند اسلامی مسالک ومذاہب کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے ہوئے دلیل و برہان کے ساتھ اپنا دینی موٴقف پیش کیا جائے۔

اس سلسلے میں ہم کس قدر کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ تو اہل علم ہی کر سکتے ہیں، جن تک ہم ایک عرصے سے نور معرفت ارسال کر رہے ہیں۔ چنانچہ بعض احباب علم و ادب کی جانب سے بہت اچھے تاثرات کا اظہار ہوا، جس نے ہماری ٹیم کو مزید محنت اور عرق ریزی سے کام کرنے کا حوصلہ دیا ہے۔ گاہے گاہے زبانی یا فون کے ذریعے ہماری حوصلہ افزائی کرنے والے اہل علم کے ہم شکر گذار ہیں، جو یقیناً اس علمی ودینی کام میں ہمارے ساتھ شریک ہیں اور عنداللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

حسب معمول نور معرفت کے اس شمارے میں بھی بعض علمی و تحقیقی جواہر پارے قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کئے جارہے ہیں۔ جن میں عصر حاضر کے ایک اہم مسئلے کو موضوع سخن بنایا گیا ہے اور وہ عالمی سامراج کی جانب سے آسمانی ادیان کے مقدسات کی توہین کا مسئلہ ہے جو اس وقت اُمت مسلمہ کے لئے اہم ترین مسائل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ''گفتنی ہا'' کے عنوان سے ایک مختصر سا تجزیہ و تحلیل پیش کیا جارہا ہے۔ علم کلام کے اہم عناوین میں سے ایک ''غیر مسلموں کے نیک اعمال کی حقیقت

" کی بحث ہے، جس پر عقلی اور قرآنی آیات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور اس موضوع کے متعلق اذہان میں پیدا ہونے والے بہت سے سوالات کا جواب دینے کی سعی کی گئی ہے۔

ایک اور اہم موضوع "ختم نبوت اور قرآن" ہے، جس میں قرآنی دلائل کی روشنی میں انتہائی سلیس زبان میں بحث کی گئی ہے۔ عصر حاضر میں "کفر و کافر" جیسا موضوع بھی مسلمان معاشروں کا ایک معرکۃ الآراء عنوان بن چکا ہے، جس کو اپنوں کی نادانی اور بیگانوں کی خود غرضی نے مسلمان مذاہب کے درمیان معرکۂ حق و باطل میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل بیت اطہارؑ کی فقہی آراء کی روشنی میں ایک تحریر "مذہب اہل بیتؑ میں مفہوم کفر و کافر" کے عنوان سے پیش کی جارہی ہے تاکہ اس عنوان کے تحت "مذہب اہل بیتؑ" کی معتدل روش سے قارئین کو روشناس کرایا جاسکے۔

ماہ ذیقعدہ کی ایک اہم مناسبت آسمان عصمت و طہارت کے آٹھویں تاجدار، حضرت امام رضاؑ کی ولادت و شہادت ہے، جس کی مناسبت سے ایک معلومات افزا تحریر " حضرت امام رضاؑ کی سیرت و کردار کا اجمالی تعارف " کے عنوان پیش کی جا رہی ہے۔ اسلامی علم کلام کا ایک اور معرکۃ الآراء موضوع "مہدویت" ہے، جس پر ایک جاندار تحریر بھی اس شمارے میں شامل کی گئی ہے، جو اپنے اندر مہدویت کے موضوع کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہت سے علمی نکات لئے ہوئے ہے۔

مکتب اہل بیتؑ کا ایک دوسرا اہم پہلو "امامت" ہے، جو اس مکتب اور دوسرے اسلامی مکاتیب فکر میں حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس موضوع کا ایک نمایاں عنوان امام کے اوصاف ہیں۔ اس شمارے میں "امام کے اوصاف نہج البلاغہ کی روشنی میں " کے عنوان سے ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جو یقینا امامت کی کلامی بحث کے طور پر قارئین کی معلومات میں اضافے کا باعث بنے گی۔

اسلامی اخلاقیات کا ایک نمایاں موضوع "زُہد" ہے جس کا اصلی مفہوم افراط و تفریط کی گرد میں گم ہو چکا ہے۔ اس شمارے میں "زُہد کی حقیقت " کے عنوان سے پیش کردہ مقالے میں اس موضوع کے چہرے سے افراط و تفریط کی گرد صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو یقینا قارئین کی روحانی و معنوی تسکین کا باعث بنے گا۔ نور معرفت کے اس شمارے میں ایک اہم پیشرفت مقالات کا اُردو اور انگلش خلاصہ ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے ساتھ محترمہ سیدہ نسرین زہراء اور محترمہ سیدہ ثمر نعیم صاحبہ نے تعاون کیا ہے۔ ادارہ اُن کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔ اُمید ہے آئندہ بھی یہ تعاون جاری رہے گا۔

گفتنی ہا

ابولہب زمان کے مقابلے میں اُمت مسلمہ کی یکجہتی کے تقاضے

سید رمیز الحسن موسوی*
Srhm2000@yahoo.com

سامراجی قوتوں کی جانب سے توہین رسالت پر مبنی فلم نے ایک بار پھر ابولہب کی گستاخیوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ عالمی سامراج، میڈیا کی طاقت کو توحیدی افکار کے خلاف بھرپور طریقے سے استعمال کر رہا ہے۔ اگرچہ ان اقدامات کا سبب، تمام ارباب علم وعقل پر واضح ہے، لیکن اس وقت لمحۂ فکریہ، یہ ہے کہ ان تلخ حوادث کے مقابلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس حوالے سے ایک ذمہ داری تو عام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور ایک ان کے مذہبی اور سیاسی عمائدین اور حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستانی مسلمانوں کے عام طبقہ نے عالم اسلام کے تمام غیور مسلمانوں کے ہمراہ، احتجاجی ریلیاں اور جلسے جلوس منعقد کرکے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں ان احتجاجی ریلیوں میں کافی بد نظمی اور غیر اخلاقی کاروائیاں بھی دیکھنے میں آئیں جو ہمارے سیاسی و شعوری عدم بلوغ کی علامت ہیں؛ لیکن درحقیقت ان کاروائیوں میں بھی پاکستانی معاشرے کا وہ" ستون پنجم " ملوث تھا جو امریکی وصیہونی قوتوں سے وابستہ ہے۔ بہرحال یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے عام طبقے نے اپنا کردار ادا کیا ہے؛ اگرچہ اسے اپنی دینی غیرت اور اخلاق وشعور مزید استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مذہبی اور سیاسی عمائدین اور حکمرانوں کے طبقے کا تعلق ہے تو اسے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے ابھی کافی تگ ودو کرنا ہے۔ اسے امت مسلمہ کے اندر وحدت، اجتماعی شعور اور دینی آگہی بیدار کرنے کیلئے مزید کوششیں کرنا چاہییں۔ اس سلسلے میں "ملی یکجہتی کونسل" کے زیر اہتمام ہونے والی دینی جرائد واخبارات کے مدیران کی پہلی ملک گیر کانفرنس ایک قابل ذکر اقدام ہے۔ لگتا ہے ملی یکجہتی کونسل کے ذمہ دار، ہمارے دینی مسالک کی ناگفتہ بہ حالت پر بہت کچھ سوچ رہے ہیں اور بہت سے اسلامی حلقے وحدت ویکجہتی کے حوالے سے ایک نکتہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ دینی جرائد واخبارات کے مدیران کی اس ملک گیر کانفرنس میں جاری کیے گئے مشترکہ اعلامیہ کا متن بھی اس کانفرنس کے شرکاء کی اسی مخلصانہ سوچ اور عزم وارادے کی عکاسی کرتا ہے۔ لیکن مزید ایسے اقدامات کی ابھی اشد ضرورت باقی ہے۔

---

*۔ محقق، مدیر سہ ماہی مجلّہ نور معرفت، اسلام آباد۔

عالمی سامراجی قوتوں کی جانب سے توہین رسالت پر مبنی فلم کی نمائش کا واقعہ ہے، حالیہ ایام کے اہم ترین واقعات وحوادث میں سے ایک ہے، جس نے ایک بار پھر ابو لہب ملعون اور اس کی بیوی کی گستاخیوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ویسے تو عصر حاضر میں جدید ترین تمام ذرائع اور ٹیکنالوجی پر شیطانی قوتوں کا قبضہ ہے، جن میں سب سے اہم ذریعہ "میڈیا" ہے۔ میڈیا کی طاقت کو اس وقت عالمی سامراج پوری قوت کے ساتھ الٰہی ادیان اور توحیدی افکار و نظریات کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ اس مقصد کی خاطر وہ انسانیت کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کی پامالی سے لے کر آسمانی ادیان کے مقدسات کی توہین اور ہتک حرمت تک، ہر قسم کا حربہ اپنا رہا ہے۔ کبھی توہین آمیز خاکوں کی نمایش ہوتی ہے تو کبھی توہین رسالت اور قرآن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

برطانیہ میں سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات، ناروے میں کارٹونز، ڈنمارک کے سامراجی جریدے میں پیغمبر اسلام ﷺ کے توہین آمیز خاکے، امریکی پادری کی قرآن سوزی اور پھر حالیہ ایام میں محسن انسانیت اور پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین پر مبنی فلم کی نمائش اور پھر جلتی پر تیل ڈالنے کے لئے ایک فرانسیسی جریدے میں توہین آمیز خاکوں کی دوبارہ اشاعت اس سلسلے کی اہم مثالیں ہیں۔

عالمی سامراج کے سرغنوں، امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے اس قسم کے توہین آمیز اقدامات کا سبب تمام ارباب علم و عقل پر واضح ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ سب کچھ ہر دور اور ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور باطل کے مقابلے میں حق کی آخری فتح تک ہوتا رہے گا۔ ان سب واقعات کے سلسلے میں جو چیز لمحۂ فکریہ کے طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ باطل قوتوں کے ان شیطانی اقدامات کے مقابلے میں الٰہی قوتوں بالخصوص اُمت مسلمہ کا فریضہ کیا ہے۔ یعنی؛ قرآن کی توہین کا مسئلہ ہو یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک حرمت کا واقعہ ہو، اس کے مقابلے میں اُمت اسلام کو کیا کرنا چاہیے اور ان تلخ حوادث کے مقابلے میں وقت کے تقاضے کیا ہیں؟

پوری اُمت اسلام کو دیکھا جائے تو وہ دو بڑے طبقات میں تقسیم ہے۔ ایک خواص، یعنی علماء، مذہبی، سیاسی عمائدین اور مسلمان حکمرانوں کا طبقہ ہے، دوسرا عام مسلمانوں کا طبقہ ہے۔ واضح ہے کہ عوامی طبقے کے افکار و نظریات پر خواص ہی کی حکمرانی ہوتی ہے، جس طرح خواص سوچتے ہیں اور عمل کرتے ہیں عوام کی اکثریت بھی اُسی کے تابع ہوتی ہے۔ البتہ عوام کے جذبات واحساسات ایک قوت متحرکہ کا کام کرتے ہیں اور خواص کے بہت سے اہداف ومقاصد کی تکمیل میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا

جائے تو عالمی کفر کے مقابلے میں اسلامی معاشروں کے طرز عمل کو ہمیں خواص، یعنی علمائ، سیاسی ومذہبی عمائدین اور بالخصوص حکمران طبقے کے طرز تفکر اور طرز عمل کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

اگر خواص سامراج زدہ ہوں گے اور عالمی سیاست پر حاکم فضا سے متاثر ہوں گے تو عوام بھی اُسی جہت پر گامزن ہوں گے۔ حتیٰ اُن کے جذبات واحساسات بھی استعماری وسامراجی مقاصد کی تکمیل کریں گے۔ اگر خواص سیاسی لحاظ سے باشعور، عالمی کفر کے ارادوں سے آگاہ، ہوشیار، شجاع اور معاملہ فہم ہوں گے تو عوام بھی اسی طرز عمل کے عکاس ہوں گے۔

اگر ہم امریکی واسرائیلی لابی کی جانب سے توہین رسالت کے مقابلے میں عالم اسلام کے مختلف معاشروں کے رد عمل کا جائزہ لیں تو ہم کہیں بھی جذبات و احساسات کے طوفان میں مسلمانوں ہی کی املاک اور افرادی قوت کو نقصان پہنچانے کا مشاہدہ نہیں کرتے سوائے پاکستانی معاشرے کے۔ حالیہ توہین آمیز واقعات ہوں یا اس سے پہلے کے سامراجی سیاہ کارنامے ہوں، پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کے تمام تر دینی جذبات واحساسات کا نشانہ عالمی کفر وسامراجی قوتیں ہی تھیں اگر کہیں توڑ پھوڑ کا عمل انجام پایا بھی ہے تو وہ امریکی و اسرائیلی یا اُن سے وابستہ ممالک کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا ہے جو ایک قدرتی عمل ہے۔ لیکن اس کے برعکس، مسلمان اگر اپنی ہی املاک اور جانوں کو نقصان پہنچاتے نظر آتے ہیں تو یہ ایک غیر منطقی فعل ہے جو ہمارے غیر حقیقی جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

حالیہ توہین آمیز فلم کے خلاف پورے عالم اسلام میں مظاہرے ہوئے ہیں، لیکن جو کچھ پاکستان میں ہوا ہے وہ سیاسی وشعوری لحاظ سے ہمارے عدم بلوغ کی علامت ہے۔ کیا عشق رسولؐ کا تقاضا یہی ہے کہ مظاہروں میں شریک مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہیں، ایک دوسرے کی مقدسات وشخصیات کی توہین کے مرتکب ہوں، ایک دوسرے پر سنگ باری کریں اور اپنے ہی ملک کی قیمتی املاک کو نقصان پہنچائیں۔

۲۱ ستمبر روز جمعہ کے مظاہروں میں جو کچھ دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی بھی طرح ایک حقیقی ایماندار، عاشق رسولؐ، تابع قرآن اور دینی شعور کے حامل معاشرے کی عکاسی نہیں کرتا۔ البتہ واضح ہے کہ یہ سب کسی حقیقی مسلمان اور عاشق رسولؐ کا کام نہیں ہے اور پاکستان کی اکثریت اس قبیح فعل سے مبرا ہے۔ اس میں یقیناً پاکستانی معاشرے کا وہ " ستون پنجم " ملوث ہے جو امریکی وصیہونی قوتوں سے وابستہ ہے۔ یہ گروہ کسی بھی موقع پر نہ تو پاکستان کا بہی خواہ رہا ہے اور نہ مسلمانوں کے اندر اتحاد ویکجہتی کا حامی ہے۔ یہ گروہ شناختہ شدہ ہے جس کے چہرے

پر اسلام خواہی اور نام نہاد اسلامی جہاد کا نقاب چڑھا ہوا ہے، لیکن ان ناگوار واقعات کے بعد پاکستان کا ہر باشعور شہری، اس نقاب زدہ چہرے کے ذریعے استعماری وصیہونی مقاصد کی تکمیل کو دیکھ رہا ہے۔

یوم عشق رسولؐ کے موقع پر امریکی وصیہونی گروہوں کی جانب سے احتجاج کے بہانے ہونے والے تلخ واقعات کے بعد ظاہر ہوتا ہے پاکستان کے خواص کی گرفت اپنے معاشرے پر بہت ڈھیلی ہے اور وہ اپنے وبیگانے کی تشخیص کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے خواص ابھی طرز تفکر اور طرز عمل کے لحاظ سے عالم اسلام کے دوسرے معاشروں کے خواص سے بہت پیچھے ہیں۔ یعنی ہمارے علمائے دین، سیاسی عمائدین اور حکمران وہ سب کچھ نہیں کر رہے جو اُنہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اس طرز عمل پر خود ہمارا دشمن ہمارا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

ہماری سیکورٹی فورس کو امریکی وزیر خارجہ کی طرف سے شاباش مل رہی ہے اور ان مظاہروں کے دوران دسیوں مسلمانوں کی جانوں اور اربوں روپے کی املاک کے ضائع ہونے پر اور امریکی سفارت خانوں اور کونسل خانوں کے محفوظ رہنے پر امریکی وزیر خارجہ کی جانب سے ہمارے حکمرانوں کا شکریہ ادا کیا جارہا ہے ! !

آخر کب تک ہمارے اوپر ایسے حکمران مسلط رہیں گے جو شاتمین رسول کے جان ومال کی حفاظت تو کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے جان ومال کے محافظ نہیں بنتے جو ان کا سب بڑا فریضہ ہے ؟

؎ وائے ناکامی ! متاع کاروان جاتا رہا کاروان کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دینی جرائد واخبارات کی ملک گیر کانفرنس

وطن عزیز پاکستان اور پاکستان کی غیرت مند مسلمان اُمت کو اس بے حسی اور بے شعوری کی حالت سے نکالنے اور بیداری کی طرف لے جانے کے حوالے سے ایک اہم نکتہ خواص کے اُس طبقے کا کردار ہے جو کسی قوم وملت اور معاشرے کی ذہن سازی اور کردار سازی کا کام کرتا ہے۔ اہل علم اور اہل قلم وبیان کا طبقہ ایک ایسا طبقہ ہے جس میں کسی حد تک شعور وبیداری کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور جو سخت سے سخت حالات میں بھی اپنے دینی وقومی فرائض کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس سلسلے میں حالیہ اہم واقعات میں سے ایک واقعہ ''ملی یکجہتی کونسل'' کے زیر اہتمام ہونے والی دینی جرائد واخبارات کے مدیران کی پہلی ملک گیر کانفرنس تھی۔ اس کانفرنس سے واضح ہوتا ہے کہ ملی یکجہتی کونسل کے ذمہ دار اُمت مسلمہ کی حالیہ بیداری کے تناظر میں پاکستان میں دینی مسالک کی ناگفتہ بہ حالت پر بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ عالم اسلام میں پیدا ہونے

والی بیداری نے تمام درد مندان اسلام کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اور عالمی کفر و شرک کی جانب سے اُمت اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ خصوصاً وحدت و یکجہتی کے حوالے سے بہت سے اسلامی حلقے ایک نکتہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ انہی عوامل کے تحت پاکستان میں بھی دینی درد رکھنے والی بہت سی تنظیمیں اور شخصیات پوری سنجیدگی کے ساتھ وحدت و یکجہتی کی طرف گامزن ہو چکی ہیں۔ اس بات کا مشاہدہ ہمیں مذکورہ کانفرنس میں شرکت کے دوران ہوا ہے۔

اس کانفرنس میں ایسی ایسی جماعتیں اور شخصیات ملی و قومی یکجہتی کا نعرہ بلند کرتی ہوئی نظر آئیں کہ جن کے بارے میں چند سال پہلے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ گروہ اور مسالک بھی اُمت مسلمہ کے اتحاد کی بنیادیں فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن اُمت اسلام کے اندر ہونے والی عالمی تبدیلیوں نے سب اسلامی مسالک کے درمیان ہم آہنگی اور یکجہتی کے لئے تمام مقدمات فراہم کر دیے ہیں اور اس حوالے سے تمام درد مندان اسلام پر اتمام حجت قائم ہو چکی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی دینی، سیاسی رہنما اور مسلک و جماعت، اُمت کی وحدت و ہم آہنگی کا نہیں سوچتی تو یہ اس کی نیت کے فتور کی سب سے بڑی علامت ہے، چونکہ امریکی و صیہونی لابی کی جانب سے قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حالیہ توہین آمیز اقدامات سے واضح ہو چکا ہے کہ ان قوتوں کا سب سے بڑا نشانہ دین اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔

آخر میں ہم لاہور میں ۳۰ اگست ۲۰۱۲ء کو ''ملی یکجہتی کونسل'' کے زیر اہتمام ہونے والی دینی جرائد و اخبارات کے مدیران کی ملک گیر کانفرنس میں جاری کیے گئے مشترکہ اعلامیہ کا متن پیش کرتے ہیں جس سے اس کانفرنس کے شرکاء کی مخلصانہ سوچ اور عزم و ارادے کی عکاسی ہوتی ہے۔

مشترکہ اعلامیہ

۱۔ مدیران رسائل و جرائد سمجھتے ہیں کہ وقت کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ امت مسلمہ میں بالعموم اور ملت اسلامیہ پاکستان میں بالخصوص اتحاد، یگانگت اور یکجہتی کے لیے قلم و قرطاس کی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے اسلام مخالف قوتوں کے عزائم کو ناکام بنایا جائے۔

۲۔ مدیران مجلّہ نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ ملت اسلامیہ پاکستان کو لسانی، نسلی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصّبات میں مبتلا کرنے کے لیے خارجی و داخلی قوتیں سرگرم ہیں۔ دینی طبقات کی طرح دینی جرائد

کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ رائے کے احترام، مشرکات کے فروغ اور تفرقات کے خاتمے کو اپنے جرائد میں نمایاں انداز میں شائع کریں۔

۳۔ مدیران جرائد نے اس امر کو ایک خوش آئند فیصلہ قرار دیا کہ ملی یکجہتی کونسل امت مسلمہ میں ہم آہنگی کے وسیع تر مقاصد سے پاکستان میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دے گی اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ماہانہ جریدے کا آغاز کیا جارہا ہے۔ اس جریدے کے امور کا جائزہ لینے اور ادارتی معاونت کے لیے مدیران پر مشتمل ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے۔

۴۔ مدیران جرائد نے اتفاق کیا کہ ہم اپنے رسائل و جرائد میں دل آزادی پر مبنی کسی نوعیت کا مواد شائع نہیں کریں گے۔ اختلاف رائے کے حق کو مخالفت کا رنگ نہیں دیا جائے گا۔ ہر ایسی تحریر کی اشاعت سے اجتناب کیا جائے گا جس سے دینی ہم آہنگی کے وسیع تر مقاصد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

۵۔ مدیران جرائد نے اس عہد کا اعادہ کیا کہ وہ پاکستان میں ملی یکجہتی کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے میں ملی یکجہتی کونسل کے مقاصد اور پروگرام کو اولیت دیں گے اور اس کی سرگرمیوں کو اپنے رسائل و جرائد میں شائع کریں گے۔

۶۔ دینی رسائل و جرائد تاریخ اسلام سے کردار سازی اور اخلاق حسنہ کے واقعات کو دینی جذبے کی آبیاری کے لیے پیش کریں گے تاکہ مسلمانوں میں صبر و برداشت، رواداری اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ ملے۔

۷۔ پاکستان میں دہشت گردی، ٹارگٹ اور بیرونی جارحیت ایک مشترکہ ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ مدیران جرائد اس نوعیت کے واقعات کو بیرونی قوتوں کے اُس ایجنڈے کا حصہ سمجھتے ہیں، جس کا مقصد پاکستان میں اسلام کو بدنام کرنا، دینی جماعتوں اور حلقوں کے بارے میں منفی تاثر پیدا کرنا ہے اور یہ اتفاق کرتے ہیں کہ ایسے واقعات کو پوری طرح سے بے نقاب کرنا، ذمہ داران کو قانون کی گرفت میں لانا اور موثر عدالتی نظام سے ان کو کیفر کردار تک لے جانا پاکستان کی حکومت، معاشرے کے ہر طبقے اور سب شہریوں کی یکساں ذمہ داری ہے۔ مدیران جرائد ایسی تمام کوششوں میں ملک وملت کے ساتھ قلم سے جہاد کرتے رہے ہیں اور اب بھی اسے لازمی فریضہ سمجھ کر ادا کرتے رہیں گے۔

۸۔ دینی رسائل و جرائد کو باہم مربوط کرنے، ان میں مؤثر اور بامعنی تعاون کو فروغ دینے کے لیے "ملی جرائد کونسل" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مراز محمد الیاس کو اتفاق رائے سے ملی جرائد کونسل کا کنوینر مقرر کیا گیا ہے۔

غیر مسلموں کے نیک اعمال کی حقیقت

ثاقب اکبر*

آیا غیر مسلموں کے نیک اعمال مقبول بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں مثبت منفی دعوے موجود ہیں لیکن قرآن کا کسی کے عمل کو قبول کرنے کا معیار یہ ہے کہ: "جس نے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اچھے کام بھی کرتا رہا تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے۔۔۔" (بقرہ: ۱۱۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح تسلیم کے ساتھ اگر حسن عمل انجام دیا جائے تو اللہ کی بارگاہ میں اجر کا استحقاق پیدا کر لیتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جب کوئی شخص ایک اچھا عمل کرتے ہوئے فقط دنیا میں اس کے اجر اور مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے تو اسے آخرت میں کوئی اجر نہیں ملتا: "جو شخص دنیا کا طلبگار ہوتا ہے تو ہم جو چاہیں اسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں پھر آخرت میں ہم نے اس کے لیے جہنم قرار دی ہے۔۔۔" (بنی اسرائیل ۱۸تا۲۰) اسی طرح جو شخص کافر مقصر ہو یعنی جان بوجھ کر حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو، ایسے شخص کے بارے میں تمام مسلمان متفق ہیں کہ اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔ مسلمان حکماء جس چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو روح تسلیم سے عاری ہیں اور حق آشکار ہو جانے کے باوجود انکار اور "میں نہ مانوں" کی روش پر ڈٹے رہتے ہیں، وہی بخشش سے محروم رہیں گے۔ ہاں جو شخص قاصر ہے، یعنی حق کی تلاش میں نکلا ہوا ہے اور اس کے اندر روح تسلیم موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ نجات و بخشش قلب سلیم ہی ہے: "البتہ فائدے میں وہی رہے گا جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔" (شعرائ: ۸۹)

یہاں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ مومن اور قاصر کافر کے عمل میں جزا کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے عمل خیر میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایمان کی جو گہرائیاں آپ ﷺ کو تسلیم کرنے اور آپؐ کی اتباع سے پھوٹتی ہیں، یہ کسی غیر مسلم کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان کی گہرائی اور آپ کی شریعت کے مطابق عمل کا کمال اور اجر کافر کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

---

*۔ محقق، دانشور، شاعر/صدر نشین البصیرہ/اسلام آباد

موضوع کی اہمیت

عدل الٰہی کی بحث میں یہ موضوع بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ غیر مسلموں کے اعمال خاص طور پر ان کے نیک اعمال کے بارے میں اسلام کی رائے کیا ہے۔ کیا ان کے نیک اعمال بھی مقبول بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں اور ان کی قربت الٰہی کا باعث بنتے ہیں؟ یہ سوال اگرچہ قدیمی ہے لیکن عصر حاضر میں یہ بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ سوال کئی پہلو رکھتا ہے ہم ذیل میں مختصر طور پر اس کے اہم پہلوئوں کا جائزہ لیں گے۔

مختلف نقطہ ہائے نظر

یہ بات پیش نظر رہے کہ مجموعی طور پر اس سوال کے متعدد جوابات ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ چونکہ رب العالمین ہے وہ مسلم و غیر مسلم، موحد و مشرک، نیک و بد سب کے نیک اعمال کو قبول کرتا ہے اور سب کو اس کا اجر دے گا۔ دوسری طرف بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جو لوگ ان کے دین سے تعلق رکھتے ہیں فقط وہی بخشش کے لائق ہیں بلکہ ایک دین کے ماننے والوں میں مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہر مسلک کے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ انہی کے مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ بخشے جائیں گے۔ یہ بات کوئی آج کی نہیں ہے بلکہ قدیم زمانے سے مختلف ادیان کے ماننے والوں کا یہی نظریہ چلا آرہا ہے۔ قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کے ایسے ہی دعوے نقل کیے ہیں مثلاً ایک مقام پر یہودیوں کی بات یوں نقل کی گئی ہے:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (1)

یعنی: ”اور انھوں نے کہا ہمیں بجز گنے چنے ایام کے آگ نہ چھوئے گی۔ کہو کیا اس سلسلے میں تم نے خدا سے کوئی وعدہ لیا ہے کہ جس کی خلاف ورزی خدا نہ کرے گا یا خدا کے بارے میں تم وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمھیں علم نہیں؟ یقیناً جو گناہ کمائے اور اس کی خطا اس کا احاطہ کرلے تو یقیناً وہ لوگ اہل جہنم ہیں اور ہمیشہ وہیں رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال انجام دیے تو وہ اہل جنت ہیں ہمیشہ وہیں رہیں گے۔“

ان آیات سے البتہ یہ ظاہر ضرور ہوتا ہے کہ یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ اگر جہنم میں گئے بھی تو چند گنتی کے دنوں کے لیے بطور سزا جائیں گے بعدازاں انھیں جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ نظریہ پایا جاتا ہے۔ اس نظریے کا جائزہ ہم آئندہ سطور میں لیں گے۔

ایک اور مقام پر یہود و نصاریٰ دونوں کا یہ زعم نقل کیا گیا ہے:

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (2)

یعنی: ”یہودی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے سوا اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے سوا کوئی اور جنت میں نہ جاسکے گا۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ ہاں جس نے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اچھے کام بھی کرتا رہا تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ان پر نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی یہ غمگین ہوتے ہیں۔“

اصطلاحی طور پر مسلمان کہلانے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمان اپنے نظریے کے اثبات کے لیے اس آیت سے بھی استفادہ کرتے ہیں:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (3)

یعنی: ”اور جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تھامے گا تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“

اس سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار ہے تو وہ جو بھی نیک عمل کر لے اسے بارگاہ الٰہی میں پذیرائی حاصل نہیں ہوگی۔

آگے بڑھنے سے پہلے مندرجہ بالا آیات سے ہم چند نتائج اخذ کرتے ہیں:

۱۔ اپنے اپنے مکتب یا مسلک کے ماننے والوں کے لیے بخشش کا نظریہ کوئی نیا نہیں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی خاص مسلک یا مکتب کے ماننے والوں کی بخشش کا وعدہ کرنے کے بجائے اپنی رضا اور بخشش کے اصول بیان کرتا ہے اور اپنی بخشش کا دعوی کرنے والوں کے نظریے کو رد کر دیتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قسم کا امتیازی سلوک روا نہیں ہے۔

۳۔یہود و نصاریٰ کے بحیثیت یہود و نصاریٰ بخشش کے دعووں کو پروردگار قبول نہیں کرتا تاہم کسی یہودی یا نصرانی کی بخشش سے انکار بھی نہیں کرتا بلکہ یہ فرماتا ہے کہ :

بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۔ (4)

یعنی: ”ہاں جس نے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اچھے کام بھی کرتا رہا تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ان پر نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی یہ غمگین ہوتے ہیں۔“

ہمیں بعد میں ذکر کی گئی آیت کے حقیقی معنی کا تعین کرنے کے لیے اس آیت کو ملحوظ نظر رکھنا پڑے گا۔ ایک مقام پر یہ آیا ہے مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ یعنی: ”جو اللہ کے حضور پورے وجود کے ساتھ سر تسلیم خم کر دے اور دوسرے مقام پر آیا ہے کہ جو کوئی ”اسلام“ کے علاوہ کوئی اور دین لے کر آئے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ گویا ایک مقام پر اثبات کے ذریعے سے بات بیان کی جارہی ہے اور دوسرے مقام پر نفی کے ذریعے وہی بات سمجھائی جارہی ہے۔

۴۔مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح تسلیم کے ساتھ اگر حسن عمل انجام دیا جائے تو اللہ کی بارگاہ میں اجر وجزا کا استحقاق پیدا کر لیتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی نیک عمل ہو اپنی تاثیر رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تاثیر کو ضائع نہیں کرتا۔ البتہ اس کا اجر اس عمل کی حقیقت اور اخلاص پر عطا فرماتا ہے۔

نیک عمل اور ایمان کی تاثیر

بعض اوقات انسان خود اپنے عمل کی تاثیر کو مٹا دیتا ہے۔ جب کوئی شخص ایک اچھا عمل کرتے ہوئے دنیا میں اس کے اجر اور مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے تو پھر آخرت میں اسے اس عمل کے اجر کی توقع بھی نہیں کرنا چاہیے۔ جب اس نے وہ کام اللہ کے لیے کیا ہی نہیں تو پھر وہ اللہ سے اس کا اجر طلب کرنے کا حق دار نہیں ہے۔ اللہ کے لیے عمل کرنے کا تصور بڑا آفاقی ہے گویا اس شخص نے اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر وہ کام اللہ کی مخلوق کی بہتری کے لیے انجام دیا ہے اور اس میں اس نے فقط اپنی انسانی فطرت کی آواز پر لبیک کہا ہے وہی فطرت جسے اللہ نے اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے تو وہ عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور اس کا اجر اس شخص کے لیے محفوظ ہوگا اور وہ عمل کرنے والا انسان آخرت پر یقین رکھتا ہے تو یہ یقین اس کے حسن عمل میں اضافہ کر دے گا اور اسے پائیدار بنا دے گا۔

اس کا اجر اسے آخرت میں بھی ملے گا لیکن اگر کسی انسان نے کوئی کام اپنی ذات کے لیے نہیں کیا بلکہ اللہ کی مخلوق کی بہتری کے لیے انجام دیا ہے اس لیے اللہ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جو لوگ صرف دنیا طلبی کے لیے کوئی کام انجام دیتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَالَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (5)

یعنی: "جو شخص جلدی سے کوئی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم جسے چاہیں اسے دنیا میں ہی جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر آخرت میں ہم نے اس کے لیے جہنم قرار دی ہے جس کی گرمی وہ مذمت اور لعنت میں گرفتار ہونے کے عالم میں برداشت کرے گا۔"

یقیناً وہ شخص جس کے پیش نظر اللہ ہے، آخرت ہے اور حیات بعد از موت ہے وہ اپنے عمل کا نتیجہ جلدی نہیں چاہتا لیکن جو ان حقیقتوں پر ایمان نہیں رکھتا وہ اپنے کیے کا جلدی نتیجہ چاہتا ہے۔

قاصر اور مقصر

دینی معارف پر ایمان نہ رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس شخص تک دین کا پیغام صحیح طریقے سے پہنچا ہی نہیں ہے جب تک یہ پیغام اس تک نہیں پہنچا ہم اسے قاصر کہیں گے۔ دوسرا آدمی وہ ہے جس تک پیغام رسالت پہنچا ہے مگر اس نے قبول نہیں کیا، وہ مقصر ہے۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ مقصر کا کوئی عمل قابل قبول نہیں کیونکہ وہ جان بوجھ کر حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پھر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے وہ عمل اخلاص کے ساتھ انجام دیا ہے چنانچہ عمل کا اخروی اجر اسے اسی صورت میں ملے گا جب اس کے اندر خلوص ہوگا۔ اس میں خلوص کا نہ ہونا اس بات سے ثابت ہے کہ اس پر حق کے ظاہر ہو چکنے کے باوجود اس نے اسے تسلیم نہیں کیا۔

اس لیے اس کا دعویٰ اخلاص ہو بھی تو جھوٹا ہے، جس کی وجہ سے اس کا وہ عمل خالص عمل قرار نہیں پائے گا اور اجر سے محروم رہے گا۔ دوسرا وہ شخص جو قاصر ہے اس پر اسلام حقیقتاً آشکار ہی نہیں ہوا یا اس نے جو مسلمان دیکھے ان کے عمل پر وہ مطمئن نہیں ہے لیکن اندر سے حق کی تلاش رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جو حق کی تلاش میں نکلا ہے اور جوں جوں اس پر حق ظاہر ہوتا جاتا ہے وہ اسے قبول کرتا چلا جاتا ہے

گویا اس کے اندر روح تسلیم موجود ہے جبکہ وہ مذکورہ شخص جس پر حق ظاہر ہو گیا مگر اس نے اپنی ہٹ دھرمی، جھوٹی انا اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر حق کو تسلیم نہیں کیا۔ گویا اس شخص کے اندر روح تسلیم موجود نہیں ہے اور روح تسلیم کا نہ ہونا بارگاہ خداوندی میں اس کے ظاہری نیک اعمال کی عدم قبولیت کا باعث بنتا ہے۔

سورہ بقرہ کی جن آیات کو اوپر بیان کیا گیا ہے اور جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ " وہ شخص جس نے اپنے رخ کو اللہ کے حضور جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے" دراصل ایسے ہی انسان کے بارے میں ہے اگرچہ اصطلاحی طور پر وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن وہ اپنے اندر روح تسلیم رکھتا ہے۔ اس کے نیک اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول اور اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ چاہے کوئی ظاہری طور پر مسلمان ہو یا کافر، اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ نجات و بخشش قلب سلیم ہی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ۔ (6)

یعنی: "البتہ فائدے میں وہی رہے گا جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔"

حبط اعمال

بعض نیک اعمال بعض خرابیوں اور گناہوں کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں بعض لوگوں کے اعمال حبط ہو جانے کا ذکر آیا ہے۔ ہم چند ایک آیات کا یہاں ذکر کرتے ہیں:

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّہُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ O ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَرِہُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَہُمۡ (7)

یعنی: "اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے ہلاکت ہے، اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا یہ اس لیے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز انھیں ناگوار گزری پس اللہ نے ان کے اعمال حبط کر لیے۔"

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ (8)

یعنی: "اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔"

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال بھی غارت ہو جائیں گے اور بعض مومنوں کے بھی اعمال حبط کے خطرے سے دوچار ہیں۔

کافر سے یہاں کیا مراد ہے اس پر تفصیلی گفتگو کرنے کی ضرورت ہے لیکن مسلمان حکماء جس چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو روح تسلیم سے عاری ہیں اور حق آشکار ہو جانے کے باوجود انکار اور "میں نہ مانوں" کی روش پر ڈٹے رہتے ہیں، وہی بخشش سے محروم رہیں گے۔ مندرجہ بالا سطور میں مقصر کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے وہ ایسے ہی کافروں پر صادق آتا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ حجرات کی مندرجہ بالا آیت اس امر کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ انبیائے کرام جن کے سید و سردار آخری نبی ہیں، کی بے ادبی بھی اعمال کے ضائع ہو جانے کا باعث بنتی ہے۔ بعض دیگر اعمال بھی ایسے ہیں کہ جن کی انجام دہی اللہ کی قربت اور بخشش سے محرومیت کا باعث بنتی ہے مگر یہ کہ انسان متوجہ ہو اور اللہ کی طرف لوٹ آئے، توبہ اور انابت کا راستہ اختیار کرے۔ ہم یہاں پر ایک اور آیۃ کریمہ کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔ (9)

یعنی: "اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

لہٰذا فقط اسلام کا دعویٰ اور ظاہری طور پر مسلمان ہونا اور ظاہری طور پر عبادات کا انجام دینا ہی کافی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک احادیث کا بھی ذکر مفید معلوم ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں حسد کو نیک اعمال کے ضائع ہونے کا سبب گردانا گیا ہے:

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔۔۔(10)

یعنی: "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا:

قال النبی لایدخل الجنۃ قاطع رحم۔ (11)

اسی طرح غیبت (12) اور تہمت (13) ایسے جرائم ہیں جنھیں عام نظر سے معمولی سمجھا جاتا ہے مگر یہ وہ گناہان کبیرہ ہیں جو انسان کے کیے ہوئے نیک اعمال کو غارت کر دیتے ہیں۔ چغل خور کا بھی یہی حال ہے۔ رسول اللہؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے:

لایدخل الجنة نمام۔(14)

یعنی: ”چغل خور جنت میں نہیں جاسکتا۔“

مسلمان صرف اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ انھوں نے اسلام کو قبول کر لیا تو وہ سیدھا جنت میں ہی جائیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں ایمان کی بات ہوئی ہے وہاں ساتھ اعمال صالح کا بھی ذکر ہوا ہے اور اجر کا دارومدار اعمال صالح ہی کو قرار دیا گیاہے۔اسی طرح قتل مومن، مومن کی آبروریزی، دھوکااور کسی کی کردار کشی یہ وہ اعمال قبیحہ ہیں جو جہنم کے شعلوں کو بھڑکا دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

مومن کا دوسرے مومن بھائی پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے مومن بھائی کے لیے پسند کرے۔(15)

ایک مشہور حدیث میں نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مسلمان ہی نہیں جس کی زبان یا ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو اذیت پہنچے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (16)

ثابت ہوا کہ ایک مسلمان بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود اور نیک اعمال کے باوجود گاہے ایسے برے اعمال کر بیٹھتا ہے جن کی وجہ سے اس کے کیے ہوئے نیک اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ ریاکاری بھی انسان کے نیک اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔گاہے انسان راتوں کو جاگ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے لیکن پھر لوگوں کو بتا کر اسے ضائع کر بیٹھتا ہے۔گاہے انسان اپنے نیک اعمال پر فخر وغرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس سے بھی انسان کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ حضرت بابا بلھے شاہؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

راتیں جاگیں، کریں عبادت　　　راتیں جاگن کتے: تیتھوں اتے
بھونکن توں بند مول نہ ہند　　　جا روڑی تے ستے: تیتھوں اتے
خصم اپنے دا، در منہ چھڈ دے　　　بھانویں وجن جتے: تیتھوں اتے
بلھے شاہ! کوئی رخت دیہاج لے　　　نہیں تے بازی بازی لے گئے کتے تیتھوں اتے

یہ بات بلھے شاہ نے تکبر کو ختم کرنے کے لیے کہی ہے کہ تورات کو جاگتا ہے اور اپنے رات کو جاگنے پر فخر کرتا ہے، رات کو توکتے بھی جاگتے رہتے ہیں اور اپنے ہی مالک کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ انسان جب اپنے نیک کام پر فخر کرتا ہے تو اس کام کا اجر ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح دیگر ایسے کام بھی ہیں جن کی وجہ سے آدمی کے نیک اعمال بھی اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ کافر بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کافر جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، دوسرے وہ کافر جو خدا اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا، اللہ کو مانتا ہی نہیں تو پھر وہ اس سے آخرت میں اپنے اعمال کا صلہ کیسے مانگ سکتا ہے۔ یہ جو روح تسلیم والی بات ہم نے کی ہے یہ ان کافروں کے بارے میں ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر ہمارے رسول اور دیگر بعض عقائد کو نہیں مانتے ان کے اندر اگر روح تسلیم موجود ہے اور وہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے عمل سرانجام دیتے ہیں تو ان کو ان کے نیک اعمال کا صلہ ضرور ملے گا یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اہل کتاب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔

ارشاد رب جلیل ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ---(17)

یعنی: ”کہیے: اے اہل کتاب! آؤ اس ایک بات پر اکٹھے ہو جائیں جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔“

یہ دعوت اہل کتاب ہی کو دی گئی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس طرح کی کوئی دعوت مشرکین کو نہیں دی گئی۔ اسی لیے مسلمانوں کا قرآن حکیم کی واضح دعوت اور توحید کے فلسفے کی ماہیت اور حقیقت کو جاننے کی بنا پر یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ مشرک جنت میں نہیں جائے گا۔ موحد اور توحید پرست کی بات الگ ہے۔ اس کے جنت میں جانے کے امکانات موجود ہیں یعنی ہم اس کے جنت میں جانے کی نفی نہیں کر سکتے۔ اس کے باقی اعمال کے بارے میں اللہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ البتہ مشرک کے بارے

میں ہمارا عقیدہ بڑا واضح ہے کہ وہ ہر گز جنت میں نہیں جائے گا۔ بعید نہیں کہ مندرجہ ذیل آیت سے بھی یہی استفادہ کیا جاسکے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الصّٰبِـُٔوۡنَ وَ النَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ (18)

یعنی: " وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے (نیز) صابئین اور عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح انجام دے بس انھیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔"

دوسری طرف ہٹ دھرم کافروں کے اعمال کی حقیقت کو بھی قرآن حکیم میں بہت ہی عمدہ مثالوں سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا وَّ وَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ O اَوۡ کَظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰىہُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِہٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُہَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَہٗ لَمۡ یَکَدۡ یَرٰىہَا ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۔ (19)

یعنی: " اور صاحبان کفر کے اعمال ریگستان کے سراب کی مانند ہیں جنھیں پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس سراب کے پاس آتا ہے تو وہاں وہ کچھ نہیں پاتا اور وہاں خدا کو پاتا ہے جو اس کی پوری پوری حساب رسی کرتا ہے اور خدا بہت جلد حساب چکاتا ہے۔ یا گہرے سمندر کی تہ میں ظلمتوں کی مانند کہ جسے پے در پے موج اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ اس پر ابر بھی ہے۔ اوپر نیچے ظلمتیں، عالم یہ ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ جس کے لیے خدا نور قرار نہ دے پھر اس کے لیے ہر گز کوئی نور نہیں۔"

مشرکین کا انجام

جیسا کہ مشرکین کے نیک اعمال کے بارے قرآن کی آیت ہم نے بیان کی ہے کہ ان کے نیک اعمال صرف اس وجہ سے حبط کر لیے جائیں گے کہ ان کا خدا اور روز آخرت پر یقین نہیں تھا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ان کے نیک اعمال کی تاثیر ہی ختم ہو جائے گی اور ان کا انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس سے مراد ہے کہ ان نیک اعمال کی پرواز ان سے سلب ہو جائے گی۔ کچھ نہ کچھ نتیجہ انھیں ملے گا۔ یہ بات بہر حال ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مشرک چاہے جتنے بھی نیک اعمال انجام دیتا رہے جنت میں نہیں جاسکتا کیونکہ توحید

کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین اسی مسئلے پر زور دیتے رہے ہیں اور اس کی تاکید فرماتے رہے ہیں کہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا ہی نجات کا راستہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے:

قولوا لا الہ الاّ اللہ تفلحوا۔ (20)

یعنی: ''کہو کے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور فلاح پا جاؤ۔''

قرآن حکیم میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کی ہر گز مغفرت نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (21)

یعنی: '' یقیناً اللہ اس امر کی مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔''

یاد رکھیے کہ ذات احد سے انحراف اللہ کو ہر گز پسند نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے چچا آزر کے لیے دعا مغفرت نہ کریں، اس کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی پرورش جیسے اعمال بھی حبط کر لیے گئے۔ یہ بات ہمارے ثابت شدہ عقائد میں سے ہے کہ مشرک کے لیے بخشش نہیں ہے، وہ جہنم ہی میں جائے گا۔ جیسے حاتم طائی کے بارے میں ہے کہ وہ بہت بڑا سخی تھا اور لوگوں کا خیر خواہ انسان تھا لیکن جنت اسے بھی میسر نہ آئی کیونکہ وہ اللہ کی وحدانیت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو جہنم کے کم تر درجے میں رکھا گیا۔ جہاں اگرچہ جہنم کا شدید عذاب موجود نہیں لیکن جنت والی نعمات بھی میسر نہیں۔ یہ بات ہمارے ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جس طرح جنت کے درجے ہیں اسی طرح جہنم کے بھی درجے ہیں۔

ہر انسان کو عدل الٰہی کے تقاضوں کے تحت اس مقام میں رکھا جائے گا جس کا وہ اہل ہوگا۔ جنت کے اعلیٰ درجوں میں وہ جائیں گے جو اللہ کی وحدانیت، اس کے رسول کی رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں گے اور اس کے احکامات کی پابندی روح تسلیم کے تحت کرتے ہوں گے۔ مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جنت میں نہیں جائیں گے جو ظالم، باغی، اور توحید و رسالت کے عملاً منکر ہوں گے کیونکہ تسلیم سے مراد فقط زبانی اقرار نہیں ہے بلکہ خدا اور رسول کی اتباع اور احکامات شریعت کی صحیح طور پر بجاآوری ہے روح

تسلیم عمل کو پرواز کی طاقت بخشتی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا منکر ہے اس کا عمل پرواز کی طاقت نہیں رکھتا۔ قرآن حکیم کی سورہ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔۔۔(22)

یعنی: ”پاک کلمے اس کی طرف عروج کرتے ہیں اور نیک عمل اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔“

ظالم کا انجام

حقیقت یہ ہے کہ شرک ہی ظلم عظیم ہے لہٰذا مشرک کا انجام تو واضح ہے تاہم انسانیت پر ظلم کرنے والے لوگ اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے والے ظالم ہی قرار پاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ظالموں پر لعنت کی گئی ہے۔ احادیث میں بھی ظالموں کو برے انجام کی خبر دی گئی ہے۔ محمد بن مسلم کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو فرماتے سنا:

جو بھی خدا کی عبادت کرے اور اس کی عبادت میں اپنے آپ کو زحمت میں ڈال دے اور خدا کے معین کردہ اپنے امام کو نہ مانے تو اس کا عمل غیر مقبول، وہ خود گمراہ اور سرگرداں ہے اور خداوند اس کے اعمال کو دشمن رکھتا ہے۔۔۔اور اگر اس حال میں مر جائے تو اس کی موت اسلام پر نہیں بلکہ اس کی موت کفر و نفاق کی موت ہے۔ اے محمد بن مسلم! جان لو کہ ظلم کے بانی اور ان کے پیروکار دین خدا سے خارج ہیں، وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان کے انجام دیے ہوئے اعمال اس راکھ کی مانند ہیں جو ایک طوفانی روز تیز ہواؤں کا بازیچہ بن جائے کیونکہ یہ لوگ اپنی کمائی ہوئی کسی چیز کو نہ پا سکیں گے۔ یہی گہری گمراہی ہے۔(23)

رسالت مآبؐ پر ایمان کا نتیجہ

خدا اور آخرت پر ایمان عمل کو پرواز عطا کرتا ہے اور ایمان انسان کے عمل میں گہرائی پیدا کرتا ہے کیونکہ ان حقائق پر ایمان رکھنے والا صرف کائنات کے ظواہر کو نہیں دیکھ رہا ہوتا بلکہ اس کے باطن پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے اس لیے اس کے عمل میں قوت پرواز آجاتی ہے لیکن یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اگر مومن و کافر یعنی وہ کافر جو اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے، دونوں روح تسلیم کے ساتھ عمل بجالائیں تو دونوں کے عمل میں جزا کے اعتبار سے کیا فرق ہوگا یا کیا دونوں کو ایک جیسا ہی اجر عطا ہوگا۔

ہم جواباً یہ کہیں گے کہ دونوں کے عمل خیر میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسالت مآب کے آنے کی وجہ سے جو معارف اور حقائق منکشف ہوئے اور حسن عمل کے جو کامل طریقے آپؐ نے بتائے یا جو اخلاص و تسلیم کا درس آپؐ نے دیا اور جو عبادات کے خوبصورت طریقے آپؐ نے سمجھائے اور جو عبد و معبود کے درمیان رشتۂ عبودیت کو مضبوط بنانے والے معارف، احکام اور ارشادات آپؐ سے ظاہر ہوئے ان کا اپنا مقام ہے اور اس کی اپنی ایک اعلیٰ درجے کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپؐ تمام سابقہ انبیاء کرام کی روحانی معراج بن کر تشریف لائے۔ آپؐ کے وجود سے معارف اپنے کمال کو پہنچے۔ جو ایمان کی گہرائیاں آپؐ کو تسلیم کرنے اور آپؐ کی اتباع کے ذریعے پھوٹتی ہیں یہ کسی غیر مسلم کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔

ایمان جتنا وسیع، گہرا اور کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے عمل بھی اتنا ہی صالح سے صالح تر ہوتا جاتا ہے اور عبد و معبود کا رشتہ محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے یہی ایک کافر اور مومن کے عمل کے درمیان فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح تسلیم رکھنے والے کافر سے روح تسلیم رکھنے والے مومن کا مقام بلند ہوتا ہے اور اسی مقام بلند کی وجہ سے جنت میں اس کا درجہ بھی کافر سے بلند تر ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جنت کا وعدہ اللہ نے صاحبان ایمان سے کیا ہے جنت کافروں کے نیک اعمال کا نتیجہ نہیں ہے، مومنین کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دین حق کسی ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے آج کے دور میں آنحضرتؐ پر ایمان کے ساتھ ہی دین اپنی کامل حقانیت تک پہنچتا ہے اور اس سارے نظام عبادات و احکام کے ساتھ دین اپنے کمال تک رسائی حاصل کرتا ہے اور ان حقائق و کمالات سے وہ شخص محروم رہتا ہے جو آپؐ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتا۔ گویا آپؐ پر کامل ایمان ہی میں انسانیت کی معراج کا راز پوشیدہ ہے۔ علاوہ ازیں کسی شخص کے بارے میں جب یہ معلوم ہو جائے کہ اُس نے نبوت کا دعوی کیا ہے تو یہ دعوی سارے انسانوں کے لیے ایک امتحان بھی بن جاتا ہے۔

اگر دعوی کرنے والا اس دعوے میں سچا ہے اور اس کا سچ کسی شخص پر ثابت ہو جاتا ہے تو پھر اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں اور جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہ ہٹ دھرمی ہی ہے جو کسی شخص کو حقیقی معنی میں کافر بناتی ہے نیز کسی انسان کے لیے یہ روا نہیں کہ جب اسے معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے تو وہ اس سے صرف نظر کرے کیونکہ یہ بہت بڑا دعوی ہے اور اپنی عظمت کے اعتبار

سے مخاطب کو معرض امتحان میں ڈال دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ فقط نبوت کا دعوی کیا بلکہ اپنے خاتم النبیین ہونے کا بھی اعلان کیا اس اعتبار سے قرآن حکیم اللہ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے لہٰذا جس جس تک یہ خبر پہنچے اُس اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی حقیقت کا سراغ لگائے اور اس سے بے نیاز نہ رہے۔ درجہ بدرجہ یہی صورت حال دیگر اہم حقائق کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کی بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں اشارہ کیا گیا ہے:

عن اسحاق ابن راھویہ قال لما وافی ابو الحسن الرضا علیہ السلام نیسابور و ۔۔۔وقال سمعت ابی موسی بن جعفر یقول سمعت ابی جعفر بن محمد یقول سمعت ابی محمد بن علی یقول سمعت ابی علی بن الحسین یقول سمعت ابی الحسین بن علی یقول سمعت ابی امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیھم السلام یقول سمعت رسول اللہ(ص)یقول سمعت جبرئیل(ع)یقول سمعت اللہ عزوجل یقول لا الہ الااللہ حصنی فمن دخل حصنی امن عذابی فلما مرت الرحلۃ نادانا بشروطھا وانا من شروطھا۔(24)

اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے:

یعنی: ''اسحاق ابن راھویہ کہتے ہیں جب امام رضاؑ مامون کی طرف جاتے ہوئے نیشاپور سے گزرے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور عرض کیا: اے رسول خداؐ کے بیٹے! آپ ہمارے پاس سے گزرے لیکن ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی جس سے ہم فائدہ اٹھائیں آپ اس وقت عماری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنا سر باہر نکالا اور فرمایا: میں نے اپنے والد موسی ابن جعفر سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد جعفر بن محمد سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے والد محمد بن علی سے سنا انھوں نے فرمایا میں اپنے والد علی ابن الحسین سے سنا انھوں نے فرمایا میں نے اپنے والد حسین بن علیؑ سے سنا انھوں نے فرمایا: میں نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جبرئیل سے سنا انھوں نے خدا سے سنا کہ وہ فرماتا ہے لا الہ الااللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔ پھر آپ کچھ آگے چلے اور ہمیں بلا کر فرمایا لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں اور میں ان شرائط میں سے ایک ہوں۔

البتہ مسلمان اور مومن کو بھی چاہیے کہ اپنے ایمان اور نیک اعمال کی حفاظت کرے کہ کہیں کسی برے عمل کی وجہ سے وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ یقین جانیے شفاعت بھی انہی کی ہو گی جو لائق شفاعت ہوں گے۔ شفاعت کے نظریے کے تحت مت اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کریں۔ ہم صدیوں سے دوسروں پر انگشت اٹھا رہے ہیں کہ فلاں ایسا تھا اور فلاں ایسا ہے۔ ہم اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم کیسے ہیں۔

''اوروں کا احتساب تو کرتے ہیں روز روز آؤ کہ آج اپنے گریباں میں جھانک لیں''

ہم گزرے ہوئے لوگوں پر تنقید کرتے ہیں۔ وہ امت تھی گزر گئی ان کا حساب کتاب بھی ہو گیا۔ ہم سے ہمارے بارے پوچھا جائے گا ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (25)

یعنی؛ '' وہ ایک امت تھی جو گزر گئی جو اس نے کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جو تم کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے اور تمھیں ان کی کار گزاریوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔''

زیر بحث موضوع کے حوالے سے چند مزید پہلو بھی لائق تحقیق ہیں تاہم مقالے کی طوالت کے پیش نظر انھیں آئندہ پر اٹھا رکھتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ بقرہ: ۸۰۔۸۲

2۔ بقرہ: ۱۱۱و۱۱۲

3۔ آل عمران: ۸۵

4۔ بقرہ: ۱۱۲

5۔ بنی اسرائیل ۱۸تا۲۰

6۔ شعراء: ۸۹

7۔ محمد: ۹

8۔ حجرات: ۲

9۔ بقرہ: ۲۶۴

10۔ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۴۰۸، ح ۴۲۱۰

11۔ شیخ طوسی، المبسوط، ج ۳، ص ۳۰۷ و مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، ج ۸، ص ۸

12۔ شیخ صدوق، امالی، ص ۵۱۵ نیز مجلسی، بحار الانوار، ج ۷۲، ص ۲۵۸

13 ۔ امام صادقؑ نے فرمایا:

اذا اتهم المومن اخاہ انماث الایمان من قلبه کما ینماث الملح فی الماء۔۔۔

یعنی: ”جب کوئی مومن اپنے بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے ایسے زائل ہو جاتا ہے جیسے پانی میں نمک زائل ہو جاتا ہے۔“ (کلینی، کافی، ج ۳، ص ۳۶۱)

14۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۱

15۔ کلینی، کافی، ج ۲، ص ۱۶۹، باب حق المومن، ح ۲

16۔ احمد برقی، المحاسن، ج ۱، ص ۴۸۵ نیز بخاری، صحیح بخاری، ج ۷، ص ۱۸۶

17۔ آل عمران: ۱۸۶۴۔

18۔ مائدہ: ۶۹

19۔ سورہ نور: ۳۹و۴۰

20۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۵۱ نیز احمد ابن حنبل، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۴۱

21۔ نساء: ۴۸

22۔ فاطر: ۱۰

23۔ وسائل الشیعہ جلد ۱، جز اول، صفحہ ۹۰

24۔ شیخ صدوق، الامالی (قم، مرکز الطباعۃ والنشر فی مؤسسۃ البعثۃ، طبع اول، ۱۴۱۷ھ) ص ۳۰۶، ح ۳۴۹

25۔ بقرہ: ۱۴۱

قرآن اور ختم نبوت

سید حسنین عباس گردیزی*

hasnain.gardezi@gmail.com

ہماری نگاہ میں ختم نبوت کا مسئلہ جو کہ ضروریات دین میں سے ہے، تین اہم عناصر پر مشتمل ہے۔ یعنی: ۱) اسلام ایک آفاقی، دائمی اور زندہ جاوید دین ہے۔ ۲) اسلام کی تعلیمات اور کتاب یعنی قرآن، ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ ۳) دین اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ ختم نبوت کے پہلے عنصر کی توضیح یہ ہے کہ اسلام کے عالمی، آفاقی اور دائمی دین ہونے پر دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بہت سے سربراہان مملکت کو خطوط لکھے جو اسلام کی دعوت کے عالمی وآفاقی ہونے کی دلیل ہیں۔ نیز قرآن مجید کی بہت سی آیات میں تمام لوگوں کو ''یا ایھا الناس'' اور ''یا بنی آدم'' کے عنوان سے خطاب کیا گیا ہے اور قرآنی ہدایت کو (الناس اور العالمین) کے لیے قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اپنی دعوت کے کسی خاص زمانے کے ساتھ مختص ہونے کی بھی نفی کی ہے۔

ختم نبوت کے دوسرے عنصر کا بیان یہ ہے کہ قرآن کریم میں خود خدا کا یہ وعدہ ہے کہ: '' اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' یہ آیت تجدید نبوت ورسالت کے ایک اہم عامل (تحریف) کی نفی کر رہی ہے۔ خاتمیت کا یہ عنصر درحقیقت، انسان کے اجتماعی شعور کے اُس ارتقاء کا نام ہے جس کے سبب انسان نہ تنہا دینی تعلیمات کی حفاظت کر سکتا ہے بلکہ اس کی تعلیم و تبلیغ کے قابل بھی ہوا ہے۔ ختم نبوت کے تیسرے عنصر کی تشریح یہ ہے کہ دین انسان کا ایک فطری تقاضا ہے اور اسلام اس انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اب چونکہ انسانی فطرت ایک ہے، انسانی ارتقائی کا راستہ، ایک، معین اور مستقیم ہے اور انسان کا آغاز وانجام معین اور ایک ہے لہٰذا ایک سے زائد ادیان کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا دین اسلام کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے؛ اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو۔۔۔'' (الآیہ)

*۔ مدیر اعلی نور معرفت، چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ بہارہ کہو، اسلام آباد

ختم نبوت کا مسئلہ ضروریات اسلام میں سے ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے آنے کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ نبوت کے خاتمہ کا اعلان کیا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ نے اس کا کئی بار تکرار فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان کسی اور نبی کے آنے کا عقیدہ خدا کی واحدنیت یا قیامت سے انکار کی طرح اسلام پر ایمان کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اس امر پر تمام اسلامی مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ختم نبوت پر اسلامی عقیدہ اس قدر پختہ ہے کہ دیگر ادیان اور مذاہب اسلام کو اس عنوان سے پہچانتے ہیں یعنی وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے نظریے کے مطابق اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔

اسلام دین خاتم ہے یہ مسئلہ اس قدر بدیہی ہے کہ اس پر استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہم اسلام کے اولین مآخذ قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا نقط نظر پیش کرتا ہے۔ ہماری نگاہ میں قرآنی اعتبار سے ختم نبوت کا مسئلہ تین عناصر پر مشتمل ہے۔ یعنی اس کی اساس ان تین ارکان پر استوار ہے۔

۱۔ اسلام ایک آفاقی اور زندہ جاوید دین ہے۔

۲۔ اسلام کی تعلیمات اور کتاب یعنی قرآن تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔

۳۔ دین اور فطرت ایک ہے، انسان تکامل کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کی ابتداء و تنہا معلوم اور راستہ مشخص ہے۔

ہماری گفتگو کا محور یہ تین عناصر ہوں گے، اب ہم قرآن سے اس بارے میں ہدایت اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں:

اسلام ایک عالمی اور آفاقی دین ہے اس کا پیغام کسی خاص قوم اور علاقے تک محدود نہیں ہے۔ اس کی آفاقیت مسلم ہے اور یہ اس دین الٰہی کا امتیاز خاص ہے۔ اسلام پر ایمان نہ رکھنے والے افراد بھی جانتے ہیں کہ اس کی دعوت عمومی ہے کسی ایک گروہ یا ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس بات کے بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بہت سے سربراہان مملکت کو خطوط لکھے۔ ان میں قیصر روم، ایران کے بادشاہ کسریٰ، مصر، حبشہ، شام کے حکمرانوں اور دیگر عرب قبائل کے سرداروں کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان سب کو آنحضرت نے دعوت دی اور انہیں عدم قبولیت کی صورت میں خطرناک انجام سے خبردار کیا۔ (1)

اگر دین اسلام عالمی دعوت کا حامل نہ ہوتا تو یہ عمومی دعوت نہ دی جاتی اور دوسری اقوام اور ملتوں کے لیے بھی قبول نہ کرنے کا معقول بہانہ ہوتا۔ اس مطلب کے بارے میں قرآن مجید نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ اس کی دعوت آفاقی اور عمومی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں تمام لوگوں کو "یا ایھا الناس" (2) اور "یا بنی آدم" (3) کے عنوان سے خطاب کیا گیا ہے اور اپنی ہدایت کو (الناس اور العالمین) کے لیے قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر ارشاد ہوا ہے:

هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ۔ (4)

یعنی: " یہ بیان ہے لوگوں کے لیے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔"

اور

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ۔ (5)

یعنی: " وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت کی ہے۔ پس تم ان کی ہدایت کی اقتداء کرو اور یہ کہو کہ میں اس (رسالت و تبلیغ) کے بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ رسالت تو عالمین کے لیے ایک یاد دہانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

اسی طرح بہت سی آیات میں رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو تمام لوگوں (الناس اور العالمین) کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا۔ (6)

یعنی: "اور ہم نے تجھے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

مزید فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ (7)

یعنی: " اے رسول کہہ دیجیے، اے لوگو! میں تمہارے لیے ایک واضح ڈرانیوالا ہوں۔"

اسی طرح سورہ انبیاء میں فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ (8)

یعنی: " اور (اے رسول) ہم نے تجھے عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

دوسری طرف دیگر ادیان کے پیروکاروں کو اہل کتاب کے عنوان سے خطاب کیا گیا ہے اور ان کی سرزنش کی گئی ہے۔ اور نبی کریم کی رسالت کو ان کے لیے بھی پایہ ثبوت تک پہنچایا گیا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

یٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (9)

یعنی: "اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا جو آسمانی کتاب کے ان بہت سے حقائق کو واضح کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے (جن کی عملاً ضرورت نہیں) صرف نظر کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور واضح کتاب آئی ہے۔"

بنیادی طور پر آنحضرت پر نزول قرآن کا ہدف دوسرے ادیان پر غلبہ اور کامیابی بتایا گیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (10)

یعنی: "وہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غلبہ دے اگرچہ مشرک ناپسند کرتے ہیں۔"

ان آیات کی روشنی میں اسلام کے عالمی آفاقی اور دائمی ہونے میں شک وتردید کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مذکورہ آیات میں جہاں الفاظ عامّ (مثلاً بنی آدم، الناس اور العالمین) استعمال کرکے اور غیر عرب اقوام اور دیگر ادیان و مذاہب (مثلاً یا اھل الکتاب) کے پیروکاروں کو مخاطب قرار دے کر اسلام کی عمومیت اور عالمیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح زمان کے لحاظ سے کسی قید اور محدودیت کے بغیر اسلام کے کسی خاص زمانے سے مختص ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے، بلکہ زمانے کے لحاظ سے بھی اسلام کی عمومیت اور دوام کو ثابت کیا گیا ہے۔ خصوصاً "لیظھرہ علی الدین کلہ" کا جملہ ہر قسم کے شک کو دُور کر دیتا ہے۔

پس قرآن کی رو سے دین اسلام میں کسی قسم کے نسخ کا امکان نہیں ہے اس سلسلے میں بہت سی روایات بھی تائید کرتی ہیں۔ ہم فقط ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ، وحرامہ حرام الی یوم القیامۃ" (11)

گزشتہ ادوار میں تجدید رسالت اور نئے انبیاء کی آمد کا ایک اہم سبب سابقہ انبیاء کی تعلیمات اور ان کی آسمانی کتب میں تبدیلیاں اور تحریفات تھیں۔اسی لیے وہ تعلیمات اور کتب لوگوں کی ہدایت کرنے کے قابل نہ رہتیں۔انبیاء کی اکثریت تحریف شدہ تعلیمات اور فراموش شدہ سنتوں کو احیا کرنے کے لیے آئی۔انبیاء میں اکثر صاحب کتاب اور شریعت نہ تھے بلکہ پہلے نبی کی شریعت کے تابع تھے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰ کے زمانے تک انبیاء آئے وہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے تابع تھے اور انہی کی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ کرتے تھے۔اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک بنی اسرائیل کے انبیا سب تورات کی پیروی کرتے تھے۔

علاوہ ازیں خود صاحب کتاب و شریعت نبی نے بھی اکثر سابق نبی کے احکام اور قوانین کی تائید کی ہے۔انبیاء کا پے در پے آنے کا ایک سبب زمانے کے تقاضوں اور حالات میں تغیر و تبدل بھی تھا کیونکہ حالات کے بدلنے کے ساتھ نئے قوانین اور نئی راہنمائی کی ضرورت پیش آتی تھی لیکن انبیاء کے ارسال کا فقط یہی سبب نہ تھا بلکہ اس کا ایک سبب یہی تحریف اور تبدیلی تھی۔اس حوالے شہید مرتضٰی مطہری لکھتے ہیں:

"چند ہزار سال پہلے انسان اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کرنے سے ناتواں تھا اور اس سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔جب انسان اپنے ارتقائی سفر میں تکامل کے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اپنے دینی اور علمی موروثی کی حفاظت کر سکے اور انہیں صحیح و سالم محفوظ رکھ سکے۔ تو تجدید پیام رسالت اور نئے پیغمبر کے ظہور کا اہم عامل منتفی ہو جاتا ہے۔اور ایک دین کے ہمیشہ رہنے کی لازمی شرط (نہ شرط کافی) پوری ہو جاتی ہے۔"

اس بارے میں جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ نہایت واضح انداز میں اس طرف راہنمائی فرما رہا ہے۔سورہ حجر آیت ۹ بیان کرتی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (12)

یعنی: "اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

یہ آیت تجدید نبوت و رسالت کے اہم عامل کے نزول قرآن کے بعد منتفی ہونے کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی قرآن میں اب کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف کا امکان نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے احکام اور تعلیمات منسوخ ہوں گی۔یہ مطلب قرآن کی ایک اور آیت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ (13)

یعنی: ”حالانکہ یہ معزز کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔“

اگر نیا پیغمبر مبعوث ہو اور وہ نئی کتاب لے آئے وہ کتاب قرآن کی ناسخ ہو گی۔ یہ آیت اس امکان کو رد کر رہی ہے۔ اور قرآن میں کسی قسم کی کمی وبیشی، تبدیلی اور تحریف کو یکسر مسترد کر رہی ہے۔ یہ بات کسی استدلال کی محتاج نہیں ہے کہ تمام آسمانی کتب میں صرف ایک کتاب ایسی ہے جو بالکل صحیح وسالم بغیر کسی تغیر و تبدل کے موجود ہے اور وہ قرآن حکیم ہے۔ اعجاز قرآن پر دلالت کرنے والی تمام آیات اس میں عدم تحریف پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ جب کہ ہم تورات اور انجیل میں دیکھتے ہیں کہ ان میں کیا کیا تحریفات کر دی گئیں۔

اس کے علاوہ سنت رسول میں سے بہت سی ایسی مقدار اسلام کے دامن میں موجود ہے، جو قطعی اور غیر قابل تردید ہے اور زمانے کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ ہے۔ البتہ کتاب الٰہی اور سنت نبی کے محفوظ رہنے کی وجہ اس دور کے بشر کی قابلیت ہے جو اس زمانے کے انسان کے معاشرتی بلوغ کی نشاندہی کرتی ہے۔ پس حقیقت میں خاتمیت کا ایک عنصر انسان کے اجتماعی شعور کا اس حد تک ارتقاء ہے جس کی وجہ سے وہ دین اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کر سکا ہے اور پھر خود اس کی تعلیم تبلیغ اور تشریح کرنے کے قابل ہوا ہے۔ قرآن میں اول سے لے کر آخر تک ایک دین کا تعارف کرایا گیا ہے۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ سب انبیاء نے ایک دین کی طرف انسانوں کو دعوت دی ہے۔ سورہ شوریٰ میں آیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى۔ (14)

یعنی: ”اس نے تمہارے لیے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا۔“

قرآن نے تمام مقامات پر اس دین کو اسلام کہا ہے جس کی طرف آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیا دعوت دیتے آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی ایک حقیقت اور ماہیت جس کی بہترین تعبیر اسلام ہے: سورہ آل عمران میں ارشاد ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا۔ (15)

یعنی: " ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ یکسوئی کے ساتھ مسلم تھے۔"

اسی طرح سورہ بقرہ میں قرآن حضرت یعقوب اور ان کے بیٹوں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (16)

یعنی: " اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اسی ملت پر چلنے کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنی اولاد کو یہی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم تادم مرگ مسلم ہی رہو۔"

اس بارے میں قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں ان سب کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ان آیات کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شرایع اور قوانین میں کوئی اختلاف نہیں تھا ایسی بات نہیں ان میں بعض موارد میں اختلاف بھی تھا قرآن دین کو واحد سمجھنے کے ساتھ شرائع و قوانین میں فرق کو بھی بیان کرتا ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (17)

یعنی: " ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ایک دستور اور طرز عمل اختیار کیا ہے۔"

لیکن جن فکری اور عملی اصولوں کی طرف انبیاء نے دعوت دی ہے وہ سب ایک تھے۔ تمام انبیاء نے ایک ہدف اور مقصد کی طرف انسانوں کو بلایا ہے اور ایک ہی راستے کی طرف راہنمائی کی ہے۔ انبیاء کی تعلیمات اور احکامات میں فرق کی مثال حکومت کی پالیساں میں جو مختلف اوقات میں ملک میں اجراء کی جاتی ہیں۔ جب کہ ملک کا بنیادی قانون ایک ہی ہوتا ہے۔

انبیاء کی تعلیمات میں فرق مختلف کلاسوں کی سطح میں فرق کی طرح تھا۔ جوں جوں انسان کا شعور بڑھتا گیا۔ اعلیٰ سطح کی تعلیمات اُسے دی جانے لگیں اور ایک مرحلے پر وہ اس مقام تک پہنچا کہ اللہ کے آخری دین کو سمجھ سکے اور اُسے آگے صحیح و سالم پہنچا سکے تو انسانی کمال کے اس درجے پر پہنچنے کے بعد اب مزید نبوت کی ضرورت ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے دین کے مکمل ہونے کا اعلان فرمادیا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (18)

یعنی: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"

اس کے علاوہ قرآن تصریح کرتا ہے دین ایک فطری تقاضا ہے اور انسانی طبیعت کی آواز ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (19)

یعنی: ''پس (اے نبی یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، (یعنی) اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے)''

اس بات میں کہ دین اول سے لے کر آخر تک ایک ہے اور انسان کی سرشت اور فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ بہت بڑا راز پوشیدہ ہے جو ہمیں فلسفہ ارتقاء و تکامل کے بارے میں ایک خاص تصور دیتا ہے۔ قرآن کی نظر میں جہان، انسان اور معاشرے کا ارتقائی راستہ ایک مشخص، ہدفدار اور ہدایت شدہ راستہ ہے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں۔ جو اپنی ابتداء درمیان اور انتہا کے لحاظ سے واضح ہے۔ انسان اور معاشرے میں اگرچہ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور یہ سب روبہ تکامل ہیں لیکن راستہ مشخص، معین اور ایک ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔ (20)

یعنی: ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے''

پس قرآن حکیم نے اس امر کی وضاحت کرنے کے بعد کہ انسان کا راستہ مشخص اور مستقیم ہے اور سب انبیاء نے زمان و مکان کے حالات و شرائط کی مناسبت سے تمام فرعی اختلافات کے باوجود ایک ہدف، ایک مقصد اور ایک راستے کی طرف ہدایت کی ہے، ختم نبوت کے مسئلے کو آسان کر دیا ہے۔ ختم نبوت کا تیسرا عنصر بھی یہی ہے۔ کیونکہ ختم نبوت اس وقت تصور کی جا سکتی ہے جب ہمیں معلوم ہو کہ اس متحول اور کمال کی طرف بڑھنے والے انسان کا راستہ معین اور واضح ہے اور مستقیم ہے۔ لیکن اگر انسان کے راستہ کا پتہ نہ ہو کبھی انسان اس طرف جائے کبھی دوسری طرف تو اس وقت ختم نبوت معقول اور تصور نہیں ہے کیونکہ ختم نبوت کا مطلب ایک جامع، دائمی اور کلیات پر مشتمل پروگرام اور نظام کا وصول کرنا ہے۔ اور یہ مذکورہ صورت میں ہی عملی جامعہ پہن سکتا ہے۔ قرآن مجید کی چند آیات ایسی ہیں جن سے ختم نبوت پر بلاواسطہ استدلال کیا گیا ہے۔ ان میں سے سورہ فرقان کی آیت نمبر ا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا۔ (21)

یعنی: " بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔"

اس آیت کریمہ سے یہ استفادہ کیا جاسکتا ہے "عالمین" کسی خاص زمانے سے مربوط نہیں ہے جب تک یہ دنیا برقرار ہے ہر امت، ہر ملت جہاں پر بھی موجود ہو وہ اس عالمین کا حصہ ہے پیغمبر اسلام ان کے لیے ڈرانے والے ہیں پس کسی اور نبی کے آنے کا مقصد ہی نہیں ہے۔ سورہ انعام کی آیت ۱۹، زیادہ واضح انداز میں ختم نبوت کو اجاگر کرتی ہے۔

وَاُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ۔ (22)

یعنی: "اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں"

یہاں پر اُس شخص کو شمول دعوت قرار دیا گیا ہے جس تک یہ پیغام پہنچے۔ پس "من بلغ" کا اطلاق آئندہ آنے والے تمام انسانوں کو شامل ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے انسانوں کو شامل تھا۔ پس جب نزول قرآن کا مقصد تمام انسانوں کو ڈرانا بتایا گیا ہے اور قرآن اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ تو پھر کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

علامہ طباطبائی اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ آیت حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی عمومیت پر دلالت کرتی ہے، قرآن کے توسط سے جس نے خود آپؐ سے سنا ہو یا کسی اور سے سنا ہو۔ قیامت تک یہ عمومیت برقرار ہے۔ اسی طرح سورہ سبا کی یہ آیت:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا۔ (23)

یعنی: "اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے فقط بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

البتہ یہ آیت ختم نبوت پر اس وقت دلالت کرے گی جب "کافہ" کو "ناس" کا حال (نحوی اصطلاح) لیا جائے جیسا کہ اکثر مفسرین نے یہی استفادہ کیا ہے۔ پس آنحضرت کی ذات اقدس تمام کے لیے لوگوں منبع ہدایت ہے خواہ جو اُس وقت موجود تھے یا قیامت تک آئیں گے۔ اس سے آپؐ کی رسالت کی عمومیت کی ایک اور سند

ہمیں مل گئی۔ ان تمام آیات سے زیادہ واضح روشن اور صریح قرآن کا وہ اعلان ہے جو اس نے سورہ احزاب کی آیت ۴۰ میں کیا ہے۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (24)

یعنی: ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

لفظ خاتم لغوی اعتبار سے زبان عربی میں اُس چیز کے معنی میں آتا ہے جس کے ذریعے سے کسی چیز کو ختم کیا جائے۔ خط بند کرنے کے بعد مہر لگا دی جاتی ہے اُسے بھی اسی لحاظ سے خاتم کہا جاتا ہے اور چونکہ انگشتری کے نگینے پر نام یا کوئی چیز کندہ کرتے تھے اور پھر اُسی کو خطوط کے اختتام پر لگاتے تھے اس لیے انگوٹھی کو بھی خاتم کہا گیا۔ قرآن میں جہاں پر مادہ ''ختم'' استعمال ہوا ہے اختتام یا بند کرنے کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً سورہ یٰسین میں آیا ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (25)

یعنی: ''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پائوں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں''

پس مذکورہ نہایت صراحت سے نبی اکرم ﷺ کو ''خاتم النبیین'' کے عنوان یاد کر رہی ہے۔ آیت کا لہجہ یہ بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ بطور ''خاتم النبین'' مسلمانوں کے درمیان معروف تھے۔ لہٰذا آیت ایک خاص مورد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔ محمدؐ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔ اس آیت سے تمام مفسرین اور اسلام کے علماء نے ختم نبوت پر استدلال پیش کیا ہے۔

ختم نبوت کے بارے میں روایات بہت زیادہ نقل ہوئی ہیں جو نہایت واضح انداز میں آنحضرت کی ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہم ان کے نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں، اپنی بات کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ پیغمبر اسلام کے خطوط تاریخ کی تمام معتبر کتب میں نقل ہوئے ہیں اور ان سب کا مجموعہ علیحدہ کتابی شکل میں ''مکاتیب الرسول '' کے نام سے موجود ہے۔

2۔ دیکھیں قرآن کی آیات : بقرہ ۲۱، نساء ۱، ۱۷۴، فاطر ۱۵

3۔ دیکھیں قرآن کی آیات : اعراف ۳۵، ۳۱، ۲۸، ۲۷، ۲۶ اور یٰسین ۶۰

4۔ آل عمران ۱۳۸، مزید دیکھیں آیات : بقرہ ۱۸۵، ۱۸۷ ابراہیم ۱، ۵ جاثیہ ۲۰، زمر ۴۱، نحل ۴۴، کہف ۵۴، حشر ۲۱

5۔ انعام ۹۰، اس حوالے سے مزید آیات ملاحظہ ہوں : یوسف ۱۰۴، ص ۸۷، تکویر ۲۷، قلم ۵۲

6۔ النساء ۷۹

7۔ حج ۴۹

8۔ انبیاء ۱۰۷

9۔ مائدہ ۱۵ مزید آیات ملاحظہ فرمائیں : آل عمران ۶۵، ۷۰، ۷۱، ۹۸، ۹۹، ۱۱۰، مائدہ ۱۹

10۔ توبہ ۳۳ اسی مطلب پر اور آیات بھی دیکھیں : فتح ۲۸۔ صف ۹

11۔ دیکھیں : کافی : ج ۱ ص ۵۷، ج ۲، ص ۱۷ بحار الانوار : ج ۲ ۲۶۰، ج ۲۴، ص ۲۸۸ اور وسائل الشیعہ : ج ۱۸، ص ۱۲۴

12۔ سورۂ حجر آیت ۹

13۔ سورہ حم سجدہ ۴۱

14۔ سورہ شوریٰ آیت ۱۳

15۔ سورہ آل عمران آیت ۴۷

16۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۳۲

17۔ سورہ مائدہ آیت ۴۸

18۔ سورہ مائدہ آیت ۳

19۔ سورہ روم آیت ۳۰

20۔ سورہ انعام آیت ۱۵۳

21۔ سورہ فرقان آیت ۱

22۔سورہ انعام آیت ۱۹

23۔سورہ سبا آیت ۲۸

24۔سورہ الاحزاب آیت ۴۰

25۔سورہ بقرہ آیت ۴۰

مذہب اہل بیت علیہم السلام میں تکفیر کی شرعی حیثیت

سید رمیز الحسن موسوی*
srhm2000@yahoo.com

مسئلہ تکفیر ایک عرصے سے اسلامی مسالک وفِرق کے درمیان نزاع کا باعث بنا ہوا ہے۔ ہر دور میں سامراج سے وابستہ بعض گرہوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی سعی کی ہے۔ گو یہ سلسلہ اب فقط امامیہ مسلک تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ سامراج کی سیاسی ضرورت کے تحت اہل تسنن کے مختلف گروہ بھی تکفیر کے ہتھیار کا نشانہ بننے لگے ہیں۔ تکفیر کی تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکفیر، ایمان کے بعد کفر کو کہتے ہیں۔

کسی مسلمان کی تکفیر کا مسئلہ ایک حساس مسئلہ ہے اور بغیر کسی شرعی دلیل کے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ خدا کے انکار، حضرت محمد (ص) کی رسالت کے انکار، قیامت کے انکار اور ضروریات اسلام میں سے کسی ایک کے انکار کے سبب کسی بھی مسلمان کی تکفیر کی جاسکتی ہے۔ لیکن اسی وقت کسی مسلمان کی تکفیر کی جاسکتی ہے کہ جب وہ اپنے قول وفعل کے ذریعے مذکورہ مسلمہ عقائد کی نفی کرکے اپنی تکفیر کے اسباب فراہم کردے۔ کسی مسلمان کی تکفیر پر بہت سے فقہی اور معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کسی کی تکفیر، درحقیقت اس کی موت کا حکم صادر کرنے کے برابر ہے۔ اس لئے ہر شخص کو کسی دوسرے مسلمان کی تکفیر کا حق حاصل نہیں ہے؛ بلکہ فقط عادل اور اسلامی احکام سے آگاہ فقہاء ہی کسی مسلمان کے کردار وگفتار کے بارے میں فیصلہ دینے کا حق رکھتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں: توحید اور رسالت کی گواہی دینے کا نام اسلام ہے۔ اسلام لانے سے خون محفوظ ہو جاتا ہے، نکاح درست قرار پاتا ہے اور میراث مل جاتی ہے۔ ایک اور مقام پر امامؑ فرماتے ہیں: ''ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جو کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائے، مسلمان کی تکفیر، اُسے قتل کرنے کے برابر ہے۔'' انہی فرامین کی بنا پر شیخ صدوق کتاب '' ھدایہ ''میں لکھتے ہیں :اسلام، شھادتین کی گواہی دینے کا نام ہے اور اس کے ذریعے جان ومال محفوظ ہو جاتے ہیں اور جو بھی لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہے اُس کی جان ومال محفوظ ہے۔ فقہائے امامیہ کے نزدیک تازہ مسلمان اور منکر وصایت وجانشینی حضرت علی (ع) کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ لیکن خوارج، نواصب، بت پرستوں، مُجسّمہ ومشبّھہ، مجبّرہ، مفوّضہ، اللہ تعالیٰ کو دشنام دینے والوں، انبیائے کرام، پیغمبر اکرم ﷺ، ائمہ طاہرین اور حضرت فاطمہ الزہراء (س) کو دشنام دینے والوں نیز ملائکہ کو دشنام دینے والوں، غالیوں اور اسلام کی توہین کرنے والوں کی تکفیر جائز ہے۔

---

*۔مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) بھارہ کہو، اسلام آباد

تمہید

گذشتہ شمارے میں ہم نے مذہب اہل بیت علیہم السلام کی روشنی میں کفر وکافر کے مفہوم کی وضاحت پیش کرتے ہوئے اس مسئلے کے بارے میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات کی روشنی میں بحث کی تھی۔ اس شمارے میں اسی موضوع سے متعلق ایک اور معرکۃ الآراء مسئلے کی شرعی حقیقت بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ وہ ہے مسئلہ تکفیر جو ایک عرصے سے اسلامی مسالک وفِرَق کے درمیان نزاع کا باعث بنا ہوا ہے، یہاں تک کہ ایک گروہ دوسرے مسلمانوں کی تکفیر کی وجہ سے ''تکفیری'' گروہ کہلانے لگا ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز انتہائی اہم ہے وہ یہ کہ تکفیر ی گروہ نے یہ ہتھیار سب سے زیادہ امامیہ مسلک کے خلاف استعمال کیا ہے اور ہر دور میں تکفیر کے ہتھیار سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی سعی کی ہے۔ گو کہ یہ سلسلہ اب فقط امامیہ مسلک تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ سامراج کی سیاسی ضرورت کے تحت اہل تسنن کے مختلف گروہ بھی اس تیر کا نشانہ بننے لگے ہیں۔

اس تحریر میں قرآن و سنت اور شریعت اسلامیہ میں مسئلہ تکفیر کی حقیقت کو سمجھنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مذہب امامیہ میں شرعی طور پر تکفیر کے مختلف اسباب اور پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام میں کس شخص کی تکفیر جائز ہے اور کس کی تکفیر جائز نہیں۔

تکفیر کا لغوی معنیٰ

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ کلمہ تکفیر مادۂ ''کفر'' سے ہے اور کسی کو کافر کہنے، چھپا لینے، معاف کرنے اور کفارہ دینے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) البتہ دوسرے معانی کے علاوہ کسی سے کفر کی نسبت دینا اور اُسے کافر قرار دینا اس کے مشہور معانی میں سے ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے کفر سے متصف شخص دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اس پر احکام اسلام لاگو نہیں ہوتے۔ یعنی اُس کے ساتھ مسلمانوں والے تعلقات برقرار نہیں کئے جا سکتے۔

ماہیت تکفیر

گذشتہ مقالہ میں کفر کا لغوی واصطلاحی معنیٰ اور کفر کی حقیقت کو شرعی حوالے سے ذکر کیا گیا ہے اور کافر کی ماہیت اور مراتب بھی ذکر ہو چکے ہیں۔ اس سے کسی حد تک کلمہ تکفیر بھی لغوی و اصطلاحی لحاظ سے واضح ہو گیا ہے۔ جس کے مطابق کسی سے کفر کی نسبت دینے کو تکفیر کہا جاتا ہے۔ تکفیر کا یہ معنیٰ مشہور ہے اور اکثر کتب لغت میں اس کے دوسرے معانی کے ساتھ ساتھ کسی کو کافر کہنا بھی تکفیر کہلاتا ہے۔

تکفیر کی اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکفیر، ایمان کے بعد کفر کو کہتے ہیں یا جو لوگ پہلے اسلام قبول کر لیتے ہیں یا پیدائشی مسلمان ہوتے ہیں، لیکن بعد میں اسلام کے کسی اصول یا ضروریات میں سے کسی ایک کا انکار کرکے دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اور دینی اصطلاح میں مرتد ہو جاتے ہیں اُن کو کافر کہا جاتا ہے یا اُن کی تکفیر کی جاتی ہے۔ البتہ شرعاً تکفیر شدہ شخص کا ارتداد واضح ہونا چاہیے تاکہ اس پر اس پر ارتداد کے احکام مرتب ہو سکیں۔ اگر اس کا ارتداد ثابت نہیں ہوتا اور اس بارے میں شک و شبہ ہوتا ہے تو اس کو اسلام کے دائرے سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کے ساتھ کفر کی نسبت دینا گناہان کبیرہ میں سے شمار ہوتا ہے لہٰذا کسی مسلمان کی تکفیر کا مسئلہ ایک حساس مسئلہ ہے، جسے بغیر کسی شرعی دلیل اور ثبوت کے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

کفر کی اقسام

کفر تین طرح سے ہو سکتا ہے:

الف: ارتداد

یعنی، کوئی مسلمان دین اسلام کو چھوڑ کر یہودی، عیسائی، مجوسی یا صابئی مذاہب میں سے کسی ایک کا پیروکار بن جائے، اس قسم کے کفر کو ارتداد کہتے ہیں جس کے خاص احکام ہیں۔

ب: شرک

یعنی، کوئی مسلمان پروردگار عالم کی وحدانیت اور یکتائی کے عقیدے سے ہاتھ اٹھا کر متعدد خداؤں کا معتقد ہو جائے۔ اس قسم کے کفر کو شرک کہتے ہیں، اس پر بھی خاص احکام لاگو ہوتے ہیں۔

ج: ضروریات دین کا انکار

یعنی، دین کے بعض ضروری عقائد میں سے کسی ایک کا انکار کرنا۔

اسباب تکفیر

فقہائے امامیہ، آیات وروایات اور مذہب کے کلی اصولوں کی روشنی میں چند چیزوں کو اسلام و کفر کی حد قرار دیتے ہیں، یعنی اگر کوئی مسلمان واقعاً یا ظاہراً ان چیزوں میں سے کسی ایک کا یا تمام چیزوں کا انکار کرے تو وہ مسلمان باقی نہیں رہتا اور اس کی تکفیر کی جا سکتی ہے۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

ا۔ وجود خدا کا انکار

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا ہو اور اُسے اپنا اور پوری کائنات اور اس میں موجود مخلوقات کا پروردگار جانتا ہو۔ بنابریں اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کے بارے میں ہر قسم کا شک و شبہ یا انکار، تکفیر کا سبب بن جاتا ہے۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے انبیائے کرام (ع) کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھتا ہو۔ پس آپؐ کی نبوت ورسالت کا انکار یا آپؐ کے جھوٹے ہونے کا اعتقاد یا آپؐ کی جانب سے لائی ہوئی شریعت کے جھوٹے ہونے کا اظہار یا بطور کلی آپؐ کے بارے میں ہر قسم کے منفی عقیدے کا اظہار انسان کی تکفیر کا سبب بن جاتا ہے۔

۳۔ قیامت کا انکار

اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے روز آخرت یعنی؛ قیامت پر اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ بہت سی آیات قرآن میں قیامت پر اعتقاد کو اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت کے اعتقاد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً :

"۔۔۔وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔۔۔" (2)

"۔۔۔۔۔اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔۔۔" (3)

"۔۔۔اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔۔۔" (4)

لہٰذا فقہاء قیامت پر عقیدے کو بھی مسلمانوں کے کلی عقائد کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں اور اس کے انکار کو تکفیر کا سبب سمجھتے ہیں۔

۴۔ ضروریات اسلام میں سے کسی ایک کا انکار

جو چیزیں تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور وہ انہیں اسلام میں شمار کرتے ہیں، ان کا انکار نہیں کرنا چاہئے، جیسے نماز، روزہ اور حج کا وجوب یا شراب نوشی، سود کھانے، محرموں سے شادی بیاہ کرنے وغیرہ کی حرمت یا اس جیسی اور چیزیں کہ جن کے حکم سے تمام مسلمان واقف ہیں، انہیں ضروریات دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ضروریات دین خواہ عقائد ہوں یا احکام یا گزشتہ انبیاء (ع) کی نبوتیں کہ جن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے، ان پر اعتقاد رکھنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

جو شخص کسی بھی ضرورت دین کا انکار کرے اس کی تکفیر جائز ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کی تکفیر کے اہم ترین اسباب میں سے شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ کم ہی کوئی ایسا شخص ملے گا جو پروردگار عالم کے وجود اور نبی اکرم (ص) کی نبوت کا انکار کرتا ہو، لیکن ہو سکتا ہے کوئی شخص نماز، روزہ، حج وغیرہ جیسی ضروریات اسلام کے انکار کرنے اپنی تکفیر کے اسباب فراہم کر دے۔

کیا فقط ضروریات دین میں سے کسی ایک ضرورت دین کا انکار کرنا کسی مسلمان کی تکفیر کا سبب بن جاتا ہے؟ اس بارے میں فقہاء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض فقہاء فقط کسی بھی ضروری دین کے انکار کو کفر کا باعث جانتے ہیں، لیکن بعض مشہور فقہاء کے نزدیک تنہا کسی

ضرورت دین کا انکار تکفیر کا سبب نہیں بنتا بلکہ اگر اُس ضرورت دین کے انکار کی بازگشت رسول خدا (ص) کی نبوت کے انکار کی طرف ہوتی ہو یا آپؐ کے احکام میں شک و شبہ کا باعث بنتا ہو تو وہ باعث تکفیر ہے۔ جیسا کہ امام خمینیؒ، کافر کے نجس ہونے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''الکافر، وھو من انتحل غیر اسلام، أوانتحله وجحدمایعلم من الدین ضرورة، بحیث یرجع جحودہ الی انکار الرسالة۔ اوتکذیب النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم، او تنقیض شریعة المطهرة، اوصدر منه ما یقتضی کفرہ من قول اوفعل۔'' (5)

یعنی: ''کافر سے مراد ایسا شخص ہے جو غیر اسلام کی طرف رغبت رکھتا ہو یا یہ کہ اسلام کی طرف رغبت رکھتا ہے، لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ فلاں چیز ضروریات دین میں سے ہے، پھر بھی اس کا اس طرح انکار کرے کہ جس کی بازگشت رسالت کے انکار یا پیغمبر اکرمؐ کے جھوٹا ہونے یا شریعت مطہرہ کے ناقص ہونے کی طرف ہوتی ہو یا اس سے ایسا کلام صادر ہو جو اس کے کفر کا موجب بنے''۔

اسی طرح آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''لوکان انکارہ لشئی من ضروریات الدین راجعاً الیٰ انکار الرسالة، اوتکذیب نبی الاسلام صلی اللہ علیه وآله، او الیٰ تنقیص الشریعة فهو کفر و ارتداد۔'' (6)

یعنی: ''اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کے انکار کی بازگشت، نبوت کے انکار یا پیغمبر اسلام (ص) کی تکذیب یا شریعت کی تنقیص کی طرف ہوتی ہو تو یہ کفر وارتداد ہے۔''

تکفیر کے ثابت ہونے کا طریقہ

اسلام میں بنیادی اصول دوسرے مسلمانوں کے قول و فعل اور اعتقاد کے بارے میں حسن ظن رکھنا ہے، لہٰذا کوئی بھی مسلمان فقط شک و شبہ یا دوسروں کی کسی بات کی تأویل کی بنا پر یا ان کی رائے کے ساتھ موافق نہ ہونے یا استدلال میں اختلاف وغیرہ کی بنا پر کسی کی تکفیر کا حق نہیں رکھتا، بلکہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی مسئلے میں اختلاف کی صورت میں اسلامی آداب و قواعد کے مطابق بحث و گفتگو کریں اور ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا مدعا بیان کرنے میں کسی قسم کا خوف وخطر محسوس نہ کریں۔

یہ طریقہ کار اس وقت تک اپنایا جا سکتا ہے کہ جب تک اسلام کے کلی اصول و ضوابط کی پاسداری کی جائے۔ فقط اسی وقت کسی مسلمان کی تکفیر کی جا سکتی ہے کہ جب وہ مسلمہ عقائد کی نفی کرکے اپنی تکفیر کے اسباب فراہم کر دے۔ وہ اس نفی و انکار کا اظہار دو طریقوں سے کر سکتا ہے:

۱۔ اپنے قول و کلام کے ذریعے

یعنی کوئی مسلمان واضح طور پر اپنی زبان سے توحید، رسالت، قیامت اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرکے اپنی تکفیر کے اسباب فراہم کرے۔

۲۔ اپنے کسی فعل کے ذریعے وہ مذکورہ چار عقائد میں سے کسی ایک کا انکار کرے

اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انکار کرنے والا شخص عاقل، بالغ اور پوری ذمہ داری اور مکمل آگاہی کے ساتھ مذکورہ عقائد میں سے کسی ایک کا انکار کرے خواہ اس کا یہ انکار دین کے ساتھ استہزاء کے طور پر ہو یا عناد و ہٹ دھرمی کی بناء پر ہو۔ جیسا کہ صاحب جواہر لکھتے ہیں: ''مسلمان کا اللہ تعالیٰ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مقام رسالت سے استہزاء کرنا ارتداد کا موجب بنتا ہے۔'' (7)

تکفیر کا حق کس کو حاصل ہے؟

کسی مسلمان کی تکفیر پر بہت سے فقہی و معاشرتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، چونکہ کسی کی تکفیر کرنا، درحقیقت اس کی موت کا حکم صادر کرنے کے برابر ہے۔ اس لئے ہر شخص کو کسی دوسرے مسلمان کی تکفیر کا حق حاصل نہیں ہے۔ بلکہ فقط عادل اور اسلامی احکام سے آگاہ فقہاء ہی دوسرے مسلمانوں کے کردار و گفتار کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس شخص یا گروہ کی تکفیر کی جارہی ہے، اس کے بارے میں شرعی دلیل قائم کی جائے کہ یہ شخص یا گروہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور فقہی لحاظ سے اس سے وہ تعلقات برقرار نہیں رکھے جا سکتے جو ایک کلمہ گو مسلمان کے ساتھ رکھنے چاہیں۔ ورنہ بہت سی احادیث میں بلاوجہ کسی مسلمان کی تکفیر کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے گناہان کبیرہ میں سے جانا گیا ہے۔

مسلمان کی تکفیر کے متعلق قرآن وسنت کے احکام

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کی تکفیر اور اُن پر کفر و شرک کی تہمتیں مسلمانوں کے درمیان عدم تفاہم اور بد اعتمادی کی علامت ہے۔ جس معاشرے میں دلیل واستدلال، صداقت و اخوت اور بھائی چارے ومہربانی کے بجائے سوء ظن وبد بینی، کینہ وعداوت اور جاہ طلبی واستبداد کی فضا حاکم ہو تو اس معاشرے کے اجتماعی تعلقات دن بدن کمزور ہوتے جاتے ہیں اور اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی جاتی ہیں اور وہ معاشرہ ایک دینی وایمانی معاشرے کے بجائے منافق و بے ایمان معاشرے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس معاشرے میں دشمنان اسلام وقرآن کے لئے کفر وشرک کے منصوبوں کی تکمیل کرنے کے تمام راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔

دین اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان مضبوط تعلقات برقرار رکھنے کی سعی کی ہے اور اُنہیں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے اور ایک دوسرے کے نزدیک ہونے کی تلقین کی ہے۔ اسلام و قرآن کی تمام تعلیمات خواہ وہ عبادت سے متعلق ہوں یا معاش و سیاست سے، اُن میں اجتماعی روح اور باہمی روابط کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن کی آیات سے لے کر پیغمبر اکرم (ص) کی احادیث و فرامین اور سیرت و سنت تک تمام اسلامی تعلیمات میں مسلمانوں کو باہمی بھائی چارے اور ایک دوسرے پر اعتماد کی دعوت دی گئی ہے اور بلاوجہ کسی مسلمان کو مسلمین کے جرگے سے خارج کرنے اور اس سے کفر و شرک کی نسبت دینے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔اس سلسلے میں قرآن مجید کی چندآیات پیش کرنے کے بعد فریقین کی کتب حدیث وسیرت سے کچھ روایات بھی نقل کی جاتی ہیں:

قرآن اور مسلمانوں کے باہمی روابط

قرآن مجید مؤمنین کے درمیان الفت و محبت کی برقراری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاایک معجزہ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

''هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّآ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ۔''

یعنی؛'' وہی ہے جس نے تمہیں اپنی اور مؤمنین کی مدد سے تقویت پہنچائی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر تم دلوں میں الفت پیدا کرنے کے لئے روئے زمین کی تمام چیزوں کو صرف کر دیتے تو ایسا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی، وہ توانا و حکیم ہے۔ (8)

'' وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔''

یعنی؛'' اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اس کی یاد سے غافل نہ ہو جانا۔ تمہارا حال یہ تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے۔'' (9)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: '' اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔۔۔۔'' یعنی؛ '' مؤمنین تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔'' (10) ایک اور مقام پر قرآن مجید انتہائی واضح الفاظ میں اہل اسلام کی تکفیر سے نہی کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔'' (11) یعنی: '' اور اس شخص کو جو صلح و اسلام کا اظہار کرتا ہے، اسے یہ نہ کہو تو مسلمان و مومن نہیں ہے۔'' یعنی؛ ''جو لوگ ایمان کا اقرار کرتے ہیں، انھیں خندہ پیشانی سے قبول کر لو اور ان کے قبول اسلام کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی اور سوء ظن سے صرف نظر کر لو۔'' (12)

مذکورہ بالا آیات واضح طور پر مسلمانوں کے درمیان اخوت و برادری کا رشتہ برقرار کر رہی ہیں اور اُنہیں اس رشتے اور تعلق کو باقی رکھنے کی تاکید کرتی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اپنے من پسند معیار کو دلیل بنا کر مسلمانوں کے درمیان اس تعلق و رشتے کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اپنے معیار اور سلیقے کے اوپر منطبق نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کے ذریعے اُنہیں مسلمین کے جرگے سے خارج کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ قرآن کے ان واضح احکامات کی خلاف ورزی نہیں کر رہے؟ قرآن کی انہی آیات اور احکام کی عملی تفسیر کرتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے جانشین ائمہ اطہارؑ بھی اپنے فرامین میں

مسلمانوں کے درمیان اسی ایمانی رشتے کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں اور مسلمان کی تکفیر کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں:

کلمہ گو مسلمان کی تکفیر کی مذمت میں روایات

مسلمانوں کے درمیان اُخوت وبرادری کا رشتہ فقط ایک احساساتی اور جذباتی پہلو نہیں رکھتا بلکہ ایک ایسا پایدار اور اٹوٹ رشتہ ہے، جو ہر ایماندار شخص کی روح وجان کا حصہ ہے اور اس کی فردی ومعاشرتی زندگی کے تمام پہلوئوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ایک مسلمان میں محبت واُخوت، مساوات وبرابری اور تعاون وایثار جیسے تمام معاشرتی جذبات واحساسات اسی ایک رشتے اور تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ ان ایمانی جذبات واحساسات کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا کلمہ وجملہ اپنی زبان پر جاری نہ کرے جس کی وجہ سے اس ایمانی تعلق ورشتے میں رخنہ پیدا ہوسکے۔

اس کے علاوہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا احترام کرنا چاہیے اور اسلام وکفر کی حدود کو پہچاننا چاہیے تاکہ وہ کسی مسلمان کی طرف کفر کی نسبت نہ دے۔ چونکہ جو بھی توحید اور رسالت کی تصدیق کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اس سلسلے میں فریقین کی کتب سے چند روایات ملاحظہ کیجئے: امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”۔۔۔الاسلام شهادة ان لا اله الا الله والتصديق برسول الله۔ به حقنت الدماء وعليه جرت المناكح والموريث۔۔۔۔“ (13) یعنی: ”اسلام نام ہے گواہی دینا توحید کی اور رسول کی۔ اسلام لانے سے خون محفوظ ہو جاتا ہے اور مناکحت درست ہو جاتی ہے اور میراث مل جاتی ہے۔“ اسی مضمون کی حدیث بخاری سے بھی نقل ہوئی ہے۔ جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”۔۔۔مَن شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلى صلوٰتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم له ما للمسلم وعليه ما على المسلم۔۔۔۔“ (14)

یعنی: ”جو بھی توحید کی گواہی دے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری طرح نماز پڑھے اور مسلمانوں کے ذبیحہ کو کھائے، وہ مسلمان ہے لہٰذا جو کچھ مسلمان کے لئے یا اس کے اوپر ہے، اُس کے بارے میں بھی ہے۔“

لہٰذا کلمہ گو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کریں اور آپس میں محبت والفت قائم رکھیں۔ اسی سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یحق علی المسلمین الاجتھاد فی التواصل والتعاون علی التعاطف والمواساۃ لاھل الحاجۃ وتعاطف بعضھم علی بعض حتیٰ تکونوا کما امرکم اللہ عزوجل رحماءُ بینھم۔۔۔" (15)

یعنی: "مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دل نزدیک کرنے کے لئے کوشش کریں اور محبت بھرے تعاون سے دریغ نہ کریں اور ضرورت مندوں کے ساتھ مواسات وہمدردی کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "رحماء بینھم" کے مصداق قرار پائیں۔"

کتاب صحیح مسلم کے باب "بیان حال ایمان مَن قال لاخیہ المسلم یاکافر" میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا: جب کسی مرد نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو وہ کفر دونوں میں سے کسی پر ضرور پلٹے گا۔ (16)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جو کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائے، مسلمان کی تکفیر، اُسے قتل کرنے کے برابر ہے"۔ (17)

علمائے امامیہ کے نزدیک حدود کفر واسلام

تمام اسلامی مذاہب کے علماء کی طرح علمائے امامیہ نے بھی اسلام وکفر کی حدود معین کرتے ہوئے کلمہ شھادتین کہنے والے کو مسلمان اور اس کے خون ومال وناموس کو محترم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیخ صدوق کتاب "ھدایہ" میں لکھتے ہیں:

"الاسلام ھو الاقرار بالشھادتین وھو الذی یُحقن بہ الدماء والاموال ومَن قال لا الہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ(ص) حُقن مالہ ودمہ"

یعنی: "اسلام، شھادتین کی گواہی دینے کا نام ہے اور اس کے زریعے جان ومال محفوظ ہو جاتے ہیں اور جو بھی لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہے اُس کی جان ومال محفوظ ہے۔"

اسی طرح شیخ مفید کتاب "اوائل المقالات" میں محقق" شرائع "میں، صاحب جواہر کتاب "جواھر الکلام" میں اور آیت اللہ حکیم "مستمسک" میں توحید ورسالت کی گواہی دینے والوں کو مسلمان جانتے ہیں اور ان کے خون ومال وناموس کو محترم سمجھتے ہیں۔

فقہ امامیہ میں کس کی تکفیر جائز ہے کس کی جائز نہیں؟

بعض گروہ یا مذاہب کہ جن کی تکفیر کے بارے میں فقہ امامیہ میں بحث کی جاتی ہے کہ ان میں سے کس کی تکفیر جائز ہے اور کس کی تکفیر جائز نہیں؟ فقہائے امامیہ کے نزدیک جن کی تکفیر جائز نہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ تازہ مسلمان

اگر کوئی تازہ تازہ مسلمان ہوا ہو اور پھر چار اسباب تکفیر میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو جائے تو اس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ چونکہ ابھی وہ اسلام اور اُس کی بنیادی تعلیمات اور اصولوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوا۔ لہٰذا کم معلومات کی وجہ سے اُس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

۲۔ منکر وصایت وجانشینی حضرت علی علیہ السلام

اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کی وصایت وجانشینی کا عقیدہ مذہب امامیہ وشیعہ اثنا عشریہ کی ضروریات میں سے ہے، لیکن فقہائے امامیہ اس نص اور جانشینی کے انکار کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھتے، چونکہ تمام معصومین علیہم السلام اور اُن کے بعد فقہائے عظام کی سیرت وروش یہی تھی کہ وہ تمام کلمہ گو مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ اسلامی معاشرت اختیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور معصومینؑ کی سیرت اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس لئے اہل سنت کے چار مذاہب کے علاوہ دوسرے شیعہ وسنی فرقوں مثلاً زیدیہ، اسماعیلیہ، واقفیہ، حتیٰ (خوارج کے علاوہ) جن مسلمانوں نے جمل وصفین حضرت علی (ع) سے جنگ کی ہے، اُن کی تکفیر بھی جائز نہیں ہے اور وہ سب امامیہ کے نزدیک مسلمان ہیں۔ (18) جن گروہوں کی تکفیر کی جاسکتی ہے وہ یہ ہیں:

ا۔ خوارج

وہ گروہ جس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے خلاف قیام کیا تھا اور حضرت علیؑ اور آپ کی پیروی کرنے والے دیگر مسلمانوں کو جنگ صفین میں تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے واجب القتل قرار دیا تھا۔

فقہائے امامیہ خوارج کی تکفیر اس لئے کرتے ہیں چونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے صحابہ کرام اور مسلمانوں کو واجب القتل سمجھا تھا۔ اسی طرح خوارج کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اِنّھُم یَمْرُقُونَ مِن الدّینِ کَمایَمْرُقُ السَّھمُ مِن الرَّامی'' یعنی: ''یہ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔'' یہ حدیث بہت سی کتب حدیث وتاریخ میں ذکر ہوئی ہے۔ (19) لہٰذا یہ حدیث بھی خوارج کی تکفیر کی ایک اہم دلیل ہے۔

۲۔ نواصب

یہ وہ گروہ ہے جو اہل بیت اطہار (ع) اور خاندان رسول (ص) کے بارے میں بغض وکینہ اور عداوت ودشمنی رکھتا ہے اور اُن کی محبت ومودّت سے اظہار بیزاری کرتا ہے۔ فقہائے امامیہ اُن آیات اور احادیث نبوی (ص) سے استناد کرتے ہوئے کہ جن میں اہل بیت اطہار (ع) سے محبت ومودّت اور ان کی اطاعت کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اس گروہ کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔

البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امامیہ فقہاء کا نواصب کو کافر قرار دینے کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے بارے میں بھی ایسی رائے رکھتے ہیں، بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا سراسر غلط ہے، کیونکہ اہل سنت والجماعت اور نواصب میں فرق ہے اور ہمارے نزدیک اہل سنت میں سے کوئی بھی اہل بیت اطہار (ع) سے نفرت نہیں کرتا، بلکہ اُن کی محبت کو فرض سمجھتا ہے۔ عصر حاضر کے بعض ناصبی گروہوں نے اہل سنت کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے خود کو اہل سنت ظاہر کرتے ہوئے امامیہ کے اس نظریئے کو اہل سنت کے بارے میں مشہور کر رکھا ہے، لیکن ہر پڑھا لکھا سنی مسلمان خود بھی جانتا ہے کہ ناصبیوں اور اہل سنت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس سلسلے میں ناصبیوں کے بارے میں خود اہل سنت علماء کی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

۳۔ بت پرست، ستارہ پرست اور دھریہ فرقہ

ان لوگوں کی تکفیر کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں چونکہ یہ بتوں، ستاروں اور دھر کی خالقیت کے قائل ہیں۔ لہٰذا فقہائے امامیہ توحید پروردگار کے منکرین کے کفر پر اجماع رکھتے ہیں۔

۴۔ مُجسّمہ و مشبّھہ

یہ وہ لوگ ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جس کی تفصیل کلامی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے کفر پر بھی فقہائے امامیہ کا اجماع ہے۔

۵۔ مجبّرہ

اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ انسان کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتا اور خدا اُس سے ہر اچھا بُرا کام جبراً کراتا ہے۔ اس قسم کے عقیدے کی بازگشت اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کی نفی اور (نعوذ باللہ) اس کے ظالم ہونے کی طرف ہوتی ہے۔ اس گروہ کی تکفیر کے بارے میں علمائے امامیہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے چونکہ ان کے اس عقیدہ کا لازمہ بنیادی ترین ضروریات دین کا انکار ہے، لہٰذا ان کے کفر کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لیکن بعض دوسرے فقہائے امامیہ، ان کے اس عقیدے کو باطل جاننے کے باوجود ان کی تکفیر کا حکم نہیں لگاتے چونکہ یہ لوگ اپنے فہم کے مطابق قرآن کی بعض آیات (مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت: ۱۳۴، ۱۸۶، سورۂ انعام کی آیت: ۱۶۴ اور سورۂ طور کی آیت ۲۱) کو اپنے عقیدے کی دلیل قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ ان آیات کی تفسیر میں عقلانیت کو مدنظر نہیں رکھتے۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، قیامت کے ثواب و عقاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے اُنہیں کافر نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ اس عقیدے کے معتقدین میں اشعری مذہب کے پیروکار کی تعداد زیادہ ہے جو اہل سنت کے کلامی مذاہب میں سے ہیں۔ اس کلامی گروہ کے بارے میں ائمہ اطہار علیہم السلام اور اُن کے پیروکار فقہائے عظام کی سیرت و روش کو دیکھا جائے تو وہ انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ فقہی و کلامی بحث و مباحثہ کے باوجود اسلامی معاشرت کے قائل تھے۔

۶۔ مفوّضہ

یہ جبریوں کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں اور انسان کو اپنے تمام افعال کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ اس گروہ کی بھی جبریہ کی مانند اپنے عقیدے کے عقلی لازمے پر اعتقاد نہ رکھنے کی صورت میں تکفیر نہیں کی جا سکتی اور ان کے ساتھ بھی فقہاء مسلمانوں والا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہیں، چونکہ یہ بھی کلمہ شہادتین کی وجہ سے جرگہ مسلمین میں شامل ہیں۔

۷۔اللہ تعالیٰ کو دشنام دینے والے

تمام مسلمان مذاہب کی طرح امامیہ بھی اللہ تعالیٰ کو دشنام دینے والے اور استہزاء کرنے والوں کے کفر پر اتفاق نظر رکھتے ہیں۔اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

"قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ"

یعنی؛ "کہہ دیجئے! کیا اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقینا تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔"(20)

۸۔پیغمبر اکرم (ص) کو دشنام دینے والا

تمام مسلمانوں کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دینے والے کے کفر پر اجماع ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص آپ (ص) کے ساتھ کوئی بُری اور ناروا بات منسوب کرے یا آپ کی ازواج میں سے کسی ایک کی طرف (نعوذ باللہ) زنا و بدکاری کی نسبت دے، وہ کافر اور واجب القتل ہے۔

۹۔ائمہ طاہرین اور حضرت فاطمہ الزہراء علیہم السلام کو دشنام دینے والا

ان ذوات مقدسہ کو دشنام دینے والے کے بارے میں بھی فقہائے امامیہ کا اجماع ہے کہ وہ کافر اور واجب القتل ہے۔

۱۰۔انبیائے کرام علیہم السلام کو دشنام دینے والا

خواہ اولوالعزم انبیاء ہوں یا غیر اولوالعزم کو دشنام دینے والا بھی تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے۔

۱۱۔ملائکہ اور فرشتوں کو دشنام دینے والا

ملائکہ کے دشنام دہندہ کی تکفیر بھی جائز ہے۔

۱۲۔ہتک حرمت اسلام

تمام فقہائے امامیہ کے نزدیک جو شخص بھی اپنے کسی قول و فعل کے ذریعے دین اسلام کی توہین کرے اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کو سبک و پست کہے کہ جس سے اسلام کے بارے میں بدگمانی پھیلے تو ایسے شخص کی تکفیر بھی جائز ہے۔

۱۳۔غلات

ایسے مسلمان جو حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں افراط پر مبنی عقیدہ رکھتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو انہیں اُلوہیت (خدائی) کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ان کی تکفیر کے بارے میں فقہائے امامیہ کا اجماع ہے۔اور ان کی تکفیر کی سب سے بڑی دلیل خود امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی سیرت وروش ہے چونکہ حضرت علی (ع) اور دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان غالیوں کی تکفیر کی ہے اور ان کے عقائد سے برائت کا اظہار فرمایا ہے۔ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول روایات کی وجہ سے تمام شیعہ فقہاء نے بھی غلات کی تکفیر کی ہے۔ چنانچہ امام خمینیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"واما الغالی فان کان غلوہ مستلزماً لانکار الالوھیۃ او التوحید او النبوۃ فھو کافر والافلا۔" (21)

یعنی: "لیکن جہاں تک غالی کا تعلق ہے تو اگر اس کا غلّو انکار خدا، انکار توحید یا نبوت کے انکار کا موجب بنے تو وہ کافر ہے، وگرنہ کافر نہیں ہے۔"

اسی طرح غالیوں سے متعلق ایک سوال کے جواب میں آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای لکھتے ہیں:

"القول بألوھیّۃ مولیٰ الموحّدین (علیہ الصلاۃ والسلام) عقیدۃ باطلۃ، وموجبۃ لخروج المعتقد بھا من الاسلام، والمساعدۃ علیٰ ترویج ھذہ العقیدہ الفاسدۃ حرامٌ، مضافاً اِلیٰ أنّہ لا یجوز صرف المال المنذر فی غیر جھۃ النذر۔" (22)

یعنی: "مولائے موحدین (حضرت علی علیہ السلام) کو خدا ماننے کا عقیدہ باطل ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہے۔ایسے فاسد عقیدے کی ترویج میں مدد کرنا حرام ہے، مزید یہ کہ اگر مال کو کسی خاص مورد کے لئے نذر کیا گیا ہو تو اسے کسی دوسری جگہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔علامہ وحید الزمان، لغات الحدیث، کتاب ''ک''

2۔سورۂ بقرہ، ۱۷۷

3۔سورۂ بقرہ، ۲۲۸

4۔سورۂ نساء، ۵۹

5۔ خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج ۱، ص ۲۱۰

6۔خامنہ ای، علی، اجوبۃ الاستفتائات، ج ۱، ص ۱۹۵

7۔فرھنگ فقہ، ج ۱، ص ۴۶۳، بحوالہ جواھر الکلام، ج ۴۱، ص ۶۰۰

8۔سورۂ انفال، ۶۲

9۔سورۂ آل عمران، ۱۰۳

10۔سورۂ حجرات، ۱۰

11۔سورۂ نساء، ۹۴

12۔مکارم، شیرازی، تفسیر نمونہ، ج ۴، ص ۷۵، مترجم سید صفدر حسین نجفی

13۔کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۲۵ الطبعۃ القدیمۃ

14۔شرف الدین، فصول المھمہ، ص ۱۳، بحوالہ صحیح بخاری

15۔عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ ج ۸، ص ۵۵۲

16۔ صحیح مسلم شریف، جلد اول، ص ۱۶۶، مترجم علامہ وحید الزمان
(ترجمہ علامہ وحید الزمان، ناشر: خالد احسان پبلشرز لاہور، اگست ۲۰۰۴ء)

17۔ مجلسی، باقر، بحار الانوار، ج ۷۲، ص ۲۰۹

18۔تفصیل کے لئے دیکھئے: دائرۃ المعارف تشیع، ج ۵، ص ۴۷، ۴۸

19۔تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) ج ۴، ص ۲۷۲ (اُردو ترجمہ، نفیس اکیڈیمی، کراچی)
سیرت امیر المومنین، مفتی جعفر حسین، ج ۱، ص ۶۴۴، بحوالہ بخاری، ج ۴، ص ۱۳۴)

20۔سورۂ توبہ، آیت ۶۶

21۔ خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج ۱، ص ۲۱۳

22۔خامنہ ای، علی، اجوبۃ الاستفتائات، ص ۹۷

حضرت امام رضا علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات کا اجمالی جائزہ

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

خلاصہ

حضرت امام رضاؑ کی ولادت ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ۔ق میں ہوئی۔آپ نے ۵۵ سال کی عمر پائی اور آپ کی شہادت ۲۰۳ھ۔ق میں ہوئی۔آپؑ نے اپنی زندگی کے آخری تین سال طوس (خراسان) میں گذارے۔مکتب اہل بیتؑ کے دفاع اور نمائندگی کے طفیل آپ کا ایک لقب "عالم آل محمد" پڑ گیا۔مأمون کی کوشش یہ تھی کہ کم از کم ایک بار سہی، امام ۔کے علمی مقام کو چیلنج کیا جائے لیکن اُن مناظروں کی بدولت جن کا اس نے اہتمام کیا تھا حضرت امام رضاؑ کی عظمت سب پر آشکار ہو گئی۔ حضرت امام رضاؑ کی معنویت کے بعض مظاہر درج ذیل ہیں:

اخلاق و کردار پر تواضع اور فروتنی، سرات کو کم سونا اور زیادہ وقت عبادت میں گزارنا، بہت طولانی سجدے کرنا، قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت اور اُن آیات کی تلاوت کے دوران جن میں دوزخ اور عذاب الٰہی ذکر ہوتا، دھاڑیں مار مار کر رونا، اولِ وقت کی نماز کو اہمیت دینا، محفل میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھنا اور ہمیشہ نرم لہجہ میں گفتگو کرنا حضرت امام رضاؑ کی معنویت اور سیرت و کردار کے اہم مظاہر شمار ہوتے ہیں۔

حضرت امام رضاؑ کے مطابق، امام خدا کی حجت، خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والا، خدا کے دین کا محافظ اور حکیمانہ طریقے، نیک نصیحتوں اور قاطع برہان کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف بلانے والا ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ انبیاء الٰہی کی مانند، ائمہ اطہارؑ کا علم، فضائل اور کمالات، سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ حضرت امام رضاؑ کی نظر میں علم دین کا حصول، اہل بیتؑ کے "امر" کے احیاء کے مترادف ہے لہٰذا آپؑ کے ماننے والوں پر دین کی تعلیمات کا حصول اور ان تعلیمات کی نشرواشاعت ضروری ہے۔

*۔ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، استاد اصول و فقہ اسلامی، جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد

حضرت امام رضا علیہ السلام کی سیرت و کردار

حضرت امام رضاؑ کی ولادت ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ۔ق میں ہوئی۔ آپؑ کا نام "علی"، کنیت " ابوالحسن" اور مشہور القاب "الرضا" (یعنی پسندیدہ)، "غریب الغربا" (یعنی سب سے بڑا پردیسی)، "معین الضعفاء" (یعنی کمزوروں کی مدد کرنے والا)، "شمس الشموس" (یعنی تابناک ترین آفتاب) اور "انیس النّفوس" (یعنی لوگوں کا ہمدم) ہیں۔ آپ کے والد گرامی، ہمارے ساتویں امام، حضرت موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہم السلام اور آپؑ کی مادر گرامی، بی بی مکرمہ حضرت "تکتّم" ہیں کہ جنہیں "نجمہ" بھی کہا جاتا تھا۔ چونکہ آپ کی آغوش میں ایک طیّب وطاہر اور معصوم امام کی پرورش ہوئی، لہٰذا آپ کو "طاہرہ" کا لقب بھی دے دیا گیا۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی شادی ایک انتہائی پاک طینت خاتون سے ہوئی جن کا نام بی بی "سبیکہ" تھا جن کے بطن سے خداوند تعالی نے آپؑ کو ایک بیٹا عطا کیا جن کا نام "محمد" اور لقب " جواد" رکھا گیا۔ شیعہ علماء کے ہاں مشہور یہ ہے کہ حضرت امام رضاؑ کی اولاد، آپؑ کے تنہا فرزند حضرت محمد بن علی الجوادؑ ہی ہیں۔

حضرت امام رضاؑ نے ۵۵ سال کی عمر پائی اور آپؑ کی شہادت ۲۰۳ھ۔ق میں ہوئی۔ آپؑ کی شہادت کا سبب مأمون عباسی کے توسط سے آپ کو دی جانے والی زہر تھی۔

آپؑ کی امامت کا دورانیہ تقریبا ۲۰ سال ہے کہ جس میں سے ۱۷ سال کا عرصہ آپ نے مدینہ منورہ میں گذرا؛ جہاں آپ عام و خاص کے ملجا و ماویٰ رہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری تین سال طوس (خراسان) میں گذارے اور اس دوران بھی آپ نے دین مبین اسلام کی سرفرازی کیلئے حتی المقدور کوششیں کیں۔ آپ اپنے خداداد علم میں اس مقام پر فائز تھے کہ آپ کا ایک لقب "عالم آل محمد" پڑ گیا۔

جناب ابا صلت ہروی، محمد ابن اسحاق ابن موسٰی بن جعفرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام موسٰی بن جعفرؑ اپنی اولاد سے فرماتے تھے:

" تمہارا بھائی علی بن موسٰی، خاندان پیغمبرؐ کا حکیم ہے۔ اپنی دینی ضروریات اور مسائل کا جواب ان سے طلب کیا کرو اور جو کچھ وہ بتائیں اسے یاد کرلو؛ کیونکہ میرے بابا [حضرت امام صادقؑ] نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تیری نسل سے خاندان پیغمبرؐ کا عالم پیدا ہوگا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا اور اسے دیکھتا۔" (1)

بہت سے مذاہب اور کئی فرقوں کے علمأ کے ساتھ آپ کے علمی مناظرات نے آپ کے علمی مقام و منزلت کو اس قدر آشکار کر دیا کہ مأمون کو علی الاعلان یہ کہنا پڑا: " مَا أَعْلَمُ اَحَداً اَفْضَلَ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ"۔ یعنی: "میں روئے زمین پر اِس شخص [حضرت امام رضاؑ] سے بڑے کسی عالم کا سراغ نہیں رکھتا۔" (2)

آپ کے کمالات و فضائل اس قدر آشکار تھے کہ فرید وجدی اپنے دائرۃ المعارف میں لکھتا ہے کہ جب مأمونِ عباسی نے مختلف فرقوں اور مذاہب کے تیس ہزار افراد کو اکٹھا کیا اور ان سے یہ کہا کہ وہ اپنے میں سے لائق ترین انسان کا انتخاب کریں تاکہ وہ اپنی ولی عہدی اُس کے سپرد کر سکے تو ان سب لوگوں نے حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ پر اتفاق کیا۔ (3)

عباسی خلافت کے کارندے، خاص اہداف کے تحت، مختلف مذاہب اور فرقوں کے دانشوروں کو دعوت دیتے اور انہیں امام ۔رضا کے مد مقابل قرار دیا کرتے تھے اور ان کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ان مناظروں میں کم از کم ایک بار سہی، امامؑ ان کے سوالوں کا جواب نہ دے سکیں۔ بہر حال مامون کا ہدف کچھ بھی ہو، ان محفلوں کی بدولت حضرت امام رضاؑ کی عظمت واضح طور پر آشکار ہو گئی اور آپ کے شیعہ بھی آپؑ کے علمی مقام و منزلت سے خوب فیضیاب ہوئے۔

جناب عبدالسلام ہروی، جو کہ اکثر ان محفلوں میں حاضر ہوتے تھے، کہتے ہیں:

"ما رأيت أعلم من علی ابن موسی الرضا ۔ و لا رآه عالم الا شهد له بمثل شهادتي و لقد جمع المأمون فی مجلس له عددا من علماء الاديان و فقهاء الشريعة و المتكلمين فغلبهم عن آخرهم حتی ما بقی منهم احد الا اقرّ علی نفسه بالقصور۔"

یعنی: "میں نے کسی شخص کو بھی حضرت امام رضا ۔سے بڑا عالم نہیں پایا۔ جس دانشور نے بھی آپ کو دیکھا اس نے یہی گواہی دی جو میں نے دی ہے۔ ایک محفل میں مأمون نے مختلف ادیان کے علمأ، شریعت کے فقہأ اور علم کلام کے علمأ کو آپ کے ساتھ مناظرے کیلئے جمع کیا لیکن آپ ۔اُن سب پر غالب آئے؛ یہاں تک کہ ان سب کو اپنی علمی کمزوری اور امام ۔کی علمی برتری کا اعتراف کرنا پڑا۔" (4)

حضرت امام رضاؑ ایک طرف سے تو مختلف ادیان اور مذاہب کے علماء کے سوالوں کا دو ٹوک جواب دیتے اور دوسری طرف اپنے مخاطب کے مذہب اور عقیدے کی اساس پر بات اور استدلال کرتے تھے اور آپؑ کا یہ رویہ، آپؑ کی علمی توانائی کا ایک نمایاں مظہر تھا۔ حضرت امام رضاؑ اہل تورات کو تورات سے، انجیل کے پیروکاروں کو انجیل سے، زبور کے ماننے والوں کو زبور سے اور ہر فرقے اور گروہ کو خود ان کے مذہب کی بنیاد پر جواب دیتے تھے۔ جناب اباصلتؒ ہروی فرماتے ہیں:

" حضرت امام رضاؑ لوگوں سے خود ان کی زبان میں بات کرتے تھے۔ خدا کی قسم! آپؑ ہر زبان میں اس زبان کے بولنے والوں سے زیادہ فصیح اور ہر تہذیب و تمدن سے خود اس تہذیب و تمدن کے اہل سے زیادہ آگاہ تھے۔" جناب اباصلتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "اے رسول خداؐ کے فرزند! میں آپ کے مختلف زبانوں پر تسلّط اور احاطہ پر حیران ہوں۔ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: "میں لوگوں پر خدا کی حجت ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کسی کو لوگوں پر حجت قرار دے لیکن وہ ان کی زبان سے واقف نہ ہو۔ آیا امیر المومنین علیؑ کا یہ فرمان آپ تک نہیں پہنچا کہ آپؐ نے فرمایا: "ہمیں "فصل الخطاب" عطا کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد مختلف زبانوں سے آشنائی ہی تو ہے۔" (5)

بہر حال، مأمون کا ہمیشہ یہ اصرار ہوتا تھا کہ حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں علمی محفلوں کا انعقاد اور آپ کے ساتھ دانشوروں کے مناظروں کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن آخر کار وہ آپؑ کو ان مناظروں میں شرکت کی دعوت دینے پر بہت پشیمان ہوا۔ کیونکہ ابتداء میں تو اُس کا ہدف یہ تھا کہ ان مناظروں کے ذریعے حضرت امام رضاؑ کی تحقیر اور آپؑ کے علمی مقام و منزلت کی توہین کرسکے۔ اور عوام کو ایسے جلسوں میں مشغول رکھ کر ان کی توجہ مملکت کے سیاسی مسائل سے ہٹادے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اسے اس مقصد میں ناکامی ہوئی ہے تو بہت پشیمان ہوا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہی وہ واقعات تھے جو حضرت امام رضاؑ کی شہادت کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

حضرت امام رضاؑ کی معنویت کے بعض مظاہر درج ذیل ہیں:

ا۔ حضرت امام رضاؑ کے اخلاق و کردار پر تواضع اور فروتنی کی گہری چھاپ تھی۔ چنانچہ آپ کے خادم "یاسر" کا کہنا ہے کہ آپ اپنے غلاموں اور نوکروں پر بہت مہربان تھے۔ ان کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر غذا

تناول فرماتے اور ان کی احوال پرسی کرتے تھے۔ جب بعض بے معرفت لوگوں نے آپ کے اس عمل پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

"مَهْ! اِنَّ الرَّبَّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَاحِدٌ وَ الْاَبُ وَاحِدٌ وَ الْاُمُّ وَاحِدَةٌ وَ الْجَزَاءُ بِالْاَعْمَالِ"۔

یعنی: " خاموش! بے شک [سب کا] پروردگار ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے اور ماں بھی ایک ہے اور ہر کسی کو جزا تو اس کے اعمال کے مطابق ملے گی۔" (6)

دوسرے الفاظ میں آپؑ یہ فرمارہے تھے کہ جب ہم سب کا پروردگار ایک ہے اور ماں باپ ایک ہیں تو پھر کسی انسان کو کسی دوسرے پر فخر کیسا؟ جس طرح سے ایک ماں باپ کی اولاد کو ایک دوسرے پر کوئی فخر حاصل نہیں ہو سکتا، اسی طرح انسانوں کو اپنے مابین ایک دوسرے پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح پیش آنا چاہیے۔

۲۔ آپ - رات کو کم سوتے تھے اور زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ حضرت امام رضاؑ کی عبادت و مناجات کے بیان میں آپ - کا یہی بیان کافی ہے کہ آپ نے معروف شاعر "دعبل خزاعی" کو اپنی عبا ہدیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اِحْتَفِظْ بِهٰذَا الْقَمِيْصَ، فَقَدْ صَلَّيْتُ فِيْهِ أَلْفَ لَيْلَةٍ أَلْفَ رَكْعَةٍ وَ خَتَمْتُ فِيْهِ الْقُرْآنَ أَلْفَ خَتْمَةٍ"

یعنی: " (اے دعبل!) اس عبا کی قدر کو پہچانو! کہ میں نے اس میں ہزار رات، ہر رات میں ہزار رکعت نماز ادا کی ہے اور اس میں نے قرآن کریم کے ایک ہزار ختم تلاوت کیے ہیں۔" (7)

۳۔ آپ - اکثر ایام روزہ کی حالت میں گذارتے اور خاص طور پر ہر مہینے کی پہلی، پندرھویں اور آخری تاریخ کو روزہ رکھتے اور فرماتے تھے کہ:

"ذٰلِكَ صَوْمُ الدَّهْرِ"

یعنی: " یہ ساری زندگی کا روزہ ہے۔" (8)

حضرت امام صادقؑ سے بھی ایک ایسی ہی روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ - نے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے حوالے سے پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل فرمایا کہ ایک آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے پوچھا:

"اَيُّكُمْ يَصُوْمُ الدَّهْرَ؟"

یعنی: "تم میں سے کون پوری زندگی روزے کی حالت میں گذارتا ہے؟"

جناب سلمان فارسیؓ نے عرض کی: "یارسول اللہ میں۔" پھر آپ ﷺ نے استفسار فرمایا:

"أَيُّكُمْ يُحْيِي اللَّيْلَ؟"

یعنی: "تم میں سے کون ساری رات عبادت میں گذارتا ہے؟"

جناب سلمان فارسیؓ نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ میں۔"

یہ سن کر ایک صحابی کو طیش آگیا اور وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! سلمان ایرانی ہے اور یہ ہم قریش پر اپنی برتری دکھانا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ہے: "کون زندگی بھر روزہ رکھتا ہے؟" یہ کہتا ہے: "میں"؛ حالانکہ اکثر ایام میں یہ کھانا کھاتا (دیکھا گیا) ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کون ساری رات عبادت میں گذارتا ہے؟" اس نے کہا: "میں"؛ حالانکہ رات کا اکثر حصہ یہ سویا رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کون ہر دن قرآن کا ایک ختم مکمل کرتا ہے؟" اس نے کہا: "میں"؛ حالانکہ دن کا اکثر حصہ یہ چپ چاپ گذارتا ہے۔" یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَهْ! يَا فُلَانُ، أَنَّى لَكَ بِمِثْلِ لُقْمَانِ الْحَكِيمِ، سَلْهُ فَإِنَّهُ يُنَبِّئُكَ"۔

یعنی: "اے فلان! خاموش رہو، تم لقمان حکیم جیسے شخص کی بات کہاں سمجھ سکتے ہو! اُن سے پوچھو، وہ خود تمہیں (اپنے کہے کا راز) بتائے گا۔"

تب اس صحابی نے جناب سلمان فارسیؓ سے پوچھا: "اے خدا کے بندے! آیا تمہارا گمان یہ نہیں ہے کہ تم زندگی بھر روزہ رکھتے ہو؟ سلمانؓ نے جواب دیا: "ہاں!" وہ کہنے لگا: "میں نے تو آپ کو اکثر اوقات دن میں کھانا کھاتے دیکھا ہے۔"

جناب سلمانؓ نے جواب دیا: "ایسا نہیں ہے جیسا آپ نے سوچا ہے۔ میں ہر مہینے تین دن روزہ رکھتا ہوں اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" (یعنی جس نے اچھائی کی اسے اس کے دس برابر صلہ دیا جائے گا۔) [تو یوں یہ تین روزے، تیس روزوں کے برابر ہو جاتے ہیں] اور میں شعبان کو ماہ رمضان سے متصل کر دیتا ہوں تو یہ گویا ساری زندگی کے روزے کے مساوی ہے۔

اس صحابی نے پھر پوچھا: ”آیا تیرا گمان یہ نہیں ہے کہ تو ساری رات عبادت میں گذارتا ہے؟“ جناب سلمان فارسیؓ نے جواب دیا: ”کیوں نہیں۔“ اس نے پوچھا: ”تم تو رات کا اکثر حصہ سوتے گذارتے ہو!“

جناب سلمانؓ نے فرمایا: ”ایسا نہیں جیسا تو نے گمان کیا ہے؛ لیکن میں نے اپنے محبوب، رسولخدا ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے: ”جو طہارت (وضوء غسل) کی حالت میں سویا، گویا وہ ساری رات عبادت کرتا رہا ہے۔ تو میں بھی ہر رات طہارت کے ساتھ سوتا ہوں۔“

پھر اس صحابی نے پوچھا: ”آیا تیرا گمان یہ نہیں ہے کہ تم ہر دن قرآن ختم کرتے ہو؟“ جناب سلمانؓ نے فرمایا: ”ایسا ہی ہے۔“ اس نے کہا: ”لیکن تم تو دن کا اکثر حصہ خاموش رہتے ہو!“ جناب سلمانؓ نے فرمایا: ”ایسا نہیں جیسا تم نے گمان کیا ہے؛ لیکن میں نے اپنے محبوب، رسولخدا ﷺ سے سنا ہے کہ آپ علیؑ سے فرمارہے تھے:

”یَا أَبَا الْحَسَنُ! مَثَلُكَ فِیْ أُمَّتِیْ مَثَلُ سُوْرَةِ التَّوْحِیْدِ، فَمَنْ قَرَأَهَا مَرَّةً فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، وَ مَنْ قَرَأَهَا مَرَّتَیْنِ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَیِ الْقُرْآنِ، وَ مَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثاً فَقَدْ خَتَمَ الْقُرْآنَ، فَمَنْ أَحَبَّكَ بِلِسَانِهِ فَقَدْ كَمُلَ لَهُ ثُلُثُ الْإِیْمَانِ، وَ مَنْ أَحَبَّكَ بِلِسَانِهِ وَ قَلْبِهِ فَقَدْ كَمُلَ لَهُ ثُلُثَا الْإِیْمَانِ، وَ مَنْ أَحَبَّكَ بِلِسَانِهِ وَ قَلْبِهِ وَ نَصَرَكَ بِیَدِهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِیْمَانَ، وَالَّذِیْ بَعَثَنِی بِالْحَقِّ یَا عَلِیُّ! لَوْ أَحَبَّكَ أَهْلُ الْأَرْضِ كَمَحَبَّةِ أَهْلِ السَّمَاءِ لَمَا عُذِّبَ أَحَدٌ بِالنَّارِ۔“

یعنی: ”اے ابوالحسن! میری امت میں آپ کی مثال سورۂ توحید کی سی ہے۔ جس نے سورۂ توحید کو ایک مرتبہ پڑھا، اس نے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کی ہے؛ اور جس نے اس کی دو بار تلاوت کی، اس نے دو تہائی قرآن کی تلاوت کی؛ اور جس نے اس کی تین بار تلاوت کی، اس نے پورے قرآن کا ختم کیا ہے۔

تو (یا علی!) جس نے آپ سے اپنی زبان سے محبت (ظاہر) کی، اس کا ایک تہائی ایمان کامل ہو گیا؛ اور جس نے آپ سے زبان اور دل (دونوں) سے محبت کی، اس کا دو تہائی ایمان مکمل ہوا؛ اور جس نے آپ سے زبان اور دل سے محبت کی اور ہاتھ سے آپ کی نصرت کی اس کا ایمان پورے طور پر کامل ہو گیا۔ یا علی! اُس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر اہل زمین بھی آپ سے ویسی محبت رکھتے جیسی اہل آسمان رکھتے ہیں تو کسی ایک شخص کو بھی آگ کے عذاب میں نہ ڈالا جاتا۔“

اس کے بعد جناب سلمان نے فرمایا: " اور میں بھی تو ہر روز "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" کی تین بار تلاوت کرتا ہوں۔" [گویا یوں میں روزانہ پورے قرآن کو ختم کرتا ہوں] جناب سلمان فارسیؓ کا یہ جواب سن کر وہ شخص چپ سادھ کر چل دیا۔"(9)

۴۔ حضرت امام رضاؑ کے سجایا اور اخلاق میں سے ایک یہ کہ آپؑ کے سجدے بہت طولانی ہوا کرتے تھے۔ آپؑ صبح کی نماز کے بعد سر سجدے میں رکھتے تو سورج طلوح ہونے تک سر بسجود رہ جاتے تھے۔

۵۔ آپؑ قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔ آپؑ قرآن کریم سے ہٹ کر گفتگو نہ کرتے، بلکہ ہر سوال کا جواب قرآن سے دیتے اور اگر کوئی مثال بیان کرتے تو بھی قرآن کریم ہی سے مأخوذ ہوتی تھی۔

۶۔ آپؑ جب بستر خواب پر لیٹتے تو خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے تھے۔

۷۔ آپؑ قرآن کریم کی نورانی آیات کی تلاوت کے دوران اگر کسی ایسی آیت پر پہنچتے کہ جس میں دوزخ اور عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا تو دھاڑیں مار مار کر روتے اور خدا سے پناہ مانگتے تھے۔

۸۔ آپؑ اولِ وقت کی نماز کو اہمیت دیتے تھے اور اگر روزہ بھی ہوتا تو پہلے نماز پڑھتے اور پھر افطار کرتے تھے۔

۹۔ آپؑ سفر میں بھی نوافل اور خاص طور پر نماز تہجد ترک نہیں کرتے تھے۔ رات کی آخری تہائی میں خدا کا ذکر کرتے ہوئے بستر سے اٹھتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور مصلائے عبادت پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہر رات نماز تہجد کے علاوہ، نماز جعفر طیار بھی پڑھتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک تعقیبات میں مشغول رہتے اور سجدۂ شکر بجالاتے تھے۔

۱۰۔ آپؑ کی زبان پر ہمیشہ خدا کا ذکر جاری رہتا تھا۔

۱۱۔ آپؑ نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی مناجات خدا سے مانوس رہتے تھے۔

۱۲۔ آپؑ زیادہ تر وقت نماز میں گذارتے تھے۔

۱۳۔ آپؑ کسی کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ ہی آپ نے کسی کے ساتھ جسارت آمیز لہجہ میں کبھی گفتگو فرمائی۔

۱۵۔ جناب کلینیؒ نے آپ کی سیرت و کردار سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ بہت سارے لوگ امام رضاؑ کی خدمت میں موجود تھے کہ اتنے میں ایک مسافر آیا۔ اس نے امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کی کہ مولا

میں آپ اور آپ کے آباؑ و اجداد سے محبت کرنے والا ہوں۔ حج کے سفر میں میرا زادِ راہ گم ہو گیا ہے لہٰذا آپ مجھے زادِ راہ عنایت فرمایئے کہ جب میں طوس واپس لوٹ جاؤں گا تو وہاں میں آپ کی طرف سے اتنی رقم صدقہ دے دوں گا۔

آپ -ایک کمرے میں داخل ہوئے اور دروازے کے اوپر سے دو سو دینار کی رقم اس مسافر کے حوالے کر دی اور خود اس کے سامنے نہ آئے اور فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اتنی رقم صدقے میں دے اور یہ کہہ کر آپ نے اس مسافر سے چاہا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ جب وہ مسافر چلا گیا تو آپ تشریف لائے۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے یہ پوچھا کہ کیوں آپ نے دروازے کے اوپر سے اس سائل کو زادِ راہ دیا اور اس سے یہ تقاضا فرمایا کہ وہ یہاں سے چلا جائے؟ تو آپ نے فرمایا :

"میں یہ چاہتا تھا کہ اس کے چہرے پر سوال کرنے کی ذلت کا مشاہدہ نہ کروں۔ آیا آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ : "چھپا صدقہ، ستر حج کے برابر ہے، کھلا گناہ انسان کی ذلت کا موجب اور چھپا گناہ، خدا کی مغفرت کا موجب قرار پاتا ہے"۔(10)

امامت، حضرت امام رضاؑ کی نظر میں

حضرت امام علی بن موسٰی الرضاؑ ایک مفصل حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد امام اور خدا کی حجت کا تعارف یوں کرواتے ہیں :

"۔۔۔ وَ الاِمَامُ یُحَلِّلُ حَلَالَ اللهِ وَیُحَرِّمُ حَرَامَ اللهِ وَیُقِیْمُ حُدُوْدَ اللهِ یَذُبُّ عَنْ دِیْنِ اللهِ وَیَدْعُوْا اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّهٖ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ الْحُجَّةِ الْبَالِغَةِ۔،،

یعنی : "امام خدا کی حلال کردہ چیز کو حلال اور حرام کردہ چیز کو حرام قرار دیتا ہے اور الٰہی قوانین لاگو کرتا ہے۔ خدا کے دین کی حفاظت کرتا ہے اور حکیمانہ طریقے سے، نیک نصیحتوں اور قاطع برہان کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔"(11)

حضرت امام رضاؑ کے اس فرمان کی روشنی میں امام شناسی کے حوالے سے چند اصول سامنے آتے ہیں :

ا۔ { "IXE-" } شیعہ نکتۂ نگاہ سے، امام ہمیشہ الٰہی احکام کے حدود کے دائرہ میں حرکت کرتا ہے؛ خداوند عالم کی حلال کردہ چیز کو کسی طور حرام نہیں کرتا اور حرام کردہ چیز کو حلال قرار نہیں دیتا۔

۲۔ امام نہ تنہا دین کے احکام اور حلال و حرامِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے بلکہ ان احکام پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والا اور ان کا سر سخت مدافع بھی ہوتا ہے۔

۳۔ امام اپنی تمام تر توانائیاں اور ذرائع، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے میں صرف کر دیتا ہے۔ امام کا ہدف، خدا کا دین ہوتا ہے اور امام اپنی ذات اور اپنے وقار کی خاطر کچھ انجام نہیں دیتا۔

بنا بر ایں، مکتب تشیع میں امام کی اطاعت، خدا کی اطاعت کا مقدمہ ہے؛ برخلاف بعض ان مسالک کے جو وقت کے ہر حاکم کو امیر المؤمنین قرار دیتے ہیں اور اسے واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ، خود امام کو بھی نبی اکرم ﷺ کی شریعت کا پابند، قرآن کا مروج، اس پر عمل کرنے والا اور قرآن کے حلال و حرام کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں امام معصوم کا کوئی ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام کی علمی برتری کے حوالے سے حضرت امام رضا۔ فرماتے ہیں:

"اَلْاِمَامُ وَاحِدُ دَهْرِهٖ، لَایُدَانِیْهِ اَحَدٌ وَلَایُعَادِلُهٗ عَالِمٌ وَلَایُوْجَدُ مِنْهُ بَدَلٌ"

یعنی: "امام اپنے زمانے میں بے ہمتا ہوتا ہے؛ فضائل و کمالات میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا؛ نہ کوئی عالم امام کے علم کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی امام کا جانشین بن سکتا ہے۔" (12)

البتہ حضرات ائمہ اطہارؑ کا علم، فضائل اور کمالات، سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو خداوند متعال کا بندہ سمجھتے ہیں۔ وہ اگر کبھی اپنے علم اور فضائل کی برتری کی بات کرتے بھی ہیں تو اس لئے تاکہ لوگ انہیں پہچان سکیں، ان پر بھروسہ کریں اور خدا کی بندگی کا طور و طریقہ اور دینداری کی راہ و رسم اُن سے سیکھیں۔ چنانچہ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ وَالْاَئِمَّةَ یُوَفِّقُهُمُ اللّٰهُ وَیُؤْتِیْهِمْ مِنْ مَخْزُوْنِ عِلْمِهٖ مَا لَایُؤْتِیْهِ غَیْرَهُمْ فَیَکُوْنُ عِلْمُهُمْ فَوْقَ کُلِّ عِلْمِ اَهْلِ زَمَانِهِمْ"

یعنی: "خداوند متعال انبیاء اور ائمہؑ کو توفیق عطا کرتا ہے اور انہیں اپنے خزانۂ علم و حکمت سے وہ کچھ عطا کرتا ہے جو کسی کو عطا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا علم اپنے زمانے کے سب علماء کے علم سے برتر ہوتا ہے۔" (13)

اپنے ایک اور نورانی بیان میں حضرت امام رضاؑ معصوم امام اور خدا کے ان برگزیدہ ہستیوں کے الٰہی مقام و منصب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذا اخْتَارَہُ اللہُ عَزَّوَجَلَّ لِاُمُوْرِ عِبَادِہٖ شَرَحَ صَدْرَہُ لِذٰلِكَ وَ اَوْدَعَ قَلْبَہُ یَنَابِیْعَ الْحِكْمَةِ وَ اَلْهَمَهُ الْعِلْمَ اِلْهَاماً فَلَمْ یَعْیَ بَعْدَہُ بِجَوَابٍ وَ لَا یَحَیَّرُ فِیْهِ عَنِ الصَّوَابِ فَهُوَ مَعْصُوْمٌ مُؤَیَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ اَمِنَ الْخَطَایَا وَ الزَّلَلِ وَ الْعِثَارِ، یَخُصُّہُ اللہُ عَزَّوَجَلَّ بِذٰلِكَ لِیَكُوْنَ حُجَّتَہُ عَلٰی عِبَادِہٖ۔"

یعنی: "جب خداوند عالم، اپنے کسی بندے کو دوسرے بندوں کے راہنما کے طور پر چن لیتا ہے تو یہ ذمہ داری نبھانے کی غرض سے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اسے ایسا علم عطا کرتا ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ کسی سوال کا جواب دینے سے عاجز نہیں رہتا اور اچھائیوں کی تشخیص اور ان کے بیان میں کسی قسم کے شک و تردید کا شکار نہیں ہوتا۔

امام معصوم ہوتا ہے، اسے خداوند عالم کی توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کی خطا اور لغزش سے محفوظ ہوتا ہے۔ خداوند عالم اسے یہ امتیاز اس لئے عطا کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت قرار پائے اور لوگ اس کی راہنمائی میں حق کے راستے کو پہچان سکیں اور اس پر آگے بڑھ سکیں۔" (14)

علم دین کا حصول، حضرت امام رضاؑ کی نظر میں

اس میں شک نہیں ہے کہ علمِ دین کا حصول ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اس حوالے سے امام رضاؑ کا یہ فرمان انتہائی قابل غور ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"رَحِمَ اللہُ عَبْداً اَحْیَا اَمْرَنَا"۔

یعنی: "خداوند عالم اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔"

آپؑ سے پوچھا گیا کہ کوئی آپ کے امر کو کیسے زندہ کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

"یَتَعَلَّمُ عُلُوْمَنَا وَ یُعَلِّمُهَا النَّاسَ فَاِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوْا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُوْنَا"

یعنی: "ایک شخص ہمارا علم حاصل کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے؛ کیونکہ لوگوں کو اگر ہمارے کلام کی (پوشیدہ) خوبیوں کا علم حاصل ہو جائے تو وہ یقینا ہماری پیروی کریں گے۔"

یہاں یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ "امر اہل بیتؑ" جس سے مراد ان کا دین اور ان کی تعلیمات ہیں اس کا زندہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ شخص جو یہ بیڑا اٹھاتا ہے اس پر خدا کی رحمت کی بارشیں نازل ہوتی ہیں۔ نیز یہ کہ اہل بیت اطہارؑ کے دین اور ان کی تعلیمات کو زندہ کرنے کا راستہ ان کی تعلیمات کے حصول اور ان کی نشر واشاعت میں منحصر ہے۔

انتہائی افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت امام رضا۔کے ماننے والے دین کا علم حاصل کرنے، اس کی ترویج اور نشرواشاعت سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے ہم اپنی ضروریات زندی، آسائشات، تفریحات اور دیگر مذہبی و غیر مذہبی رسوم پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن جب حضرت امام رضاؑ اور آپ کے آباء واجداد کے دین کے احیاء کی کوئی تحریک ہو تو اس میں ہم سب سے پیچھے نظر آتے ہیں؟

آیا اس کا معنی یہ نہیں کہ ہم رحمت الٰہی کی آغوش میں آنے سے پہلو تہی کر رہے ہیں؟ ہمارے خیال میں جہاں ہمارے لیے اپنے روز مرہ اوقات کو خرچ کرنے کے بیسیوں پروگرامز اور ایجنڈے طے شدہ ہوتے ہیں، وہاں اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کو سیکھنے اور دوسروں کو سکھلانے کیلئے بھی کسی عالم دین کے درس میں بیٹھ کر یا کسی معتبر دینی کتاب کے باقاعدہ مطالعہ کے ذریعے کچھ وقت ان ہستیوں کے "امر" کو زندہ رکھنے کیلئے ضرور خرچ کرنا چاہیے۔

ہمیں چاہیے کہ نہ فقط حضرت امام رضاؑ کی زیارت کرکے آپ سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کریں، بلکہ علم دین کے حصول اور اس کی نشر واشاعت کا اہتمام کرکے بھی آپ ۔ کی خوشنودی حاصل کریں۔ یقینا ایسا کرنے سے رحمت الٰہی ہمارے شامل حال ہو گی۔ ہم جہاں آپؑ کی زیارت کی نذر مان کر خداوند تعالی کی بارگاہ سے اپنی حاجات کے پورے ہونے کی دعا مانگ سکتے ہیں وہاں آپ ۔ کی تعلیمات کو عام کرنے پر کچھ خرچ کرنے کی نذر مان کر بھی اپنی حاجات پورا ہونے کی دعا مانگ سکتے ہیں۔ آخر میں خداوند تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں ائمہ اطہارؑ کی حقیقی معرفت، ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق، دنیا میں ان کی قبور کی زیارت اور آخرت میں ان کی شفاعت نصیب فرمائے! (آمین!)

*****

حوالہ جات

1۔الشیخ الطبرسی؛اعلام الوری بأعلام الہدیٰ؛ص ۳۱۵؛اثبات الہداۃ، ج ۶، ص ۲۸۔
2۔الارشاد؛الشیخ المفید؛ جلد ۲؛ص ۲۶۱؛ بحار الانوار؛ المجلسی؛ ج ۴۹؛ص ۱۴۵۔
3۔ محمد فرید وجدی؛ دائرۃ المعارف للقرن العشرین
4۔ابن ابی الفتح الاربلی؛ کشف الغمہ؛ دار الاضوائ، بیروت، ج ۳، ص ۱۱۰۔
5۔الشیخ الصدوق؛ عیون اخبار الرضا؛ بیروت؛ ج ۱، ص ۲۵۰۔
6۔الکلینی؛الکافی؛ دار الکتب الاسلامیہ، تہران، اشاعت چہارم، ج ۸، ص ۲۳۰۔
7۔الشیخ الطوسی؛الامالی؛ دار الثقافہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، قم، ص ۳۵۹۔
8۔الشیخ الصدوق؛ عیون اخبار الرضا؛ بیروت، ج ۱، ص ۱۹۷۔
9۔الشیخ الصدوق؛الامالی، مرکز النشر والطباعۃ فی مؤسسۃ البعثۃ، قم، ص ۸۶۔
10۔الکلینی، الکافی، ج ۴، ص ۲۴۔
11۔الصدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۹۷۔
12۔الکلینی، الکافی، ج
13۔الکلینی، الکافی، ج
14۔الکلینی، الکافی، ج

مہدویت: عامل وحدت

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی*

خلاصہ

عالم اسلام بھی امام مہدیؑ کا انتظار کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے احادیث کے تقریباً تمام مجامع میں اس حوالے سے نہ صرف احادیث بلکہ مستقل ابواب موجود ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ تصور مہدویت کے حوالے سے شیعہ و سنی میں کن باتوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے:

۱۔ شیعہ و سنی کتابوں میں یہ جملہ مشترکہ طور پر ملتا ہے کہ "جس نے خروج مہدی کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور جس نے نزول عیسیٰ کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور جس نے خروج دجال کا انکار کیا اس نے بھی کفر کیا۔"

۲۔ امام مہدیؑ ایک خاص شخصیت ہیں نہ کہ ایک کردار۔ گویا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت مہدیؑ رسول اکرم ﷺ کی نسل سے اور اولاد فاطمہؑ میں سے ہوں گے۔ لہٰذا مہدویت کے دعویداروں کو جانچنے کا ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ آیا وہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے ہیں یا نہیں؟

۳۔ امام مہدیؑ جب وہ ظہور فرمائیں گے تو پوری دنیا پر ایک عالمی اسلامی نظام نافذ کریں گے۔

۴۔ امام مہدیؑ کے بعض شمائل پر بھی اتفاق ہے۔ مثلاً حاکم نیشاپوری نے امام کی شکل و صورت کے بارے میں وہی بات لکھی ہے جو بحار الانوار میں ہے۔ شیعہ و سنی اس بات پر بھی اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

۵۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر دنیا کے خاتمہ میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خداوند عالم اس کو طویل کر دے گا اور ایک ہی رات میں امام مہدیؑ کے لیے راہیں ہموار کر دے گا۔

۶۔ امام مہدیؑ جب ظہور فرمائیں گے تو وہ رکن والمقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے۔

۷۔ بعض علائم ظہور میں بھی اتفاق پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ امام مہدیؑ کے قیام سے قبل خراسان میں ایک ایسی اسلامی ریاست قائم ہو گی۔ امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد جب خراسانی کا لشکر امام کی نصرت کے لیے نکلے گا تو اسی دوران شام میں سفیانی کا لشکر ظاہر ہو گا۔

۸۔ جب امام مہدیؑ کی عالمی حکومت قائم ہو گی تو دنیا میں اقتصادی خوشحالی ہو گی۔ ان نکات پر اتفاق کی روشنی میں عقیدہ مہدویت کو شیعہ سنی وحدت کا ایک اہم عامل شمار کرنا چاہیے۔

*۔ استاد علوم اسلامی، جامعہ کراچی

دنیاکے بیشتر مذاہب کے ماننے والے ایک ایسے نجات دہندہ کا انتظار کررہے ہیں جو اس دنیا کو ظلم وجور سے پاک کرکے عدل وانصاف کا نظام نافذ کرنے والا ہے۔ اس انتظار میں یہودی وعیسائی مسیح کے منتظر ہیں تو ہندو کالکی اوتار کے انتظار میں ہیں، زرتشت کے ماننے والے سئوشیانت کے منتظر ہیں تو عالم اسلام امام مہدیؑ کا انتظار کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں تصور مہدیؑ موجود ہے اور احادیث کے تقریباً تمام مجامع میں اس حوالے سے نہ صرف احادیث بلکہ مستقل ابواب موجود ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے علماء نے اپنے اپنے زمانے میں اس اہم موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں اور اگر کسی نے کبھی اس نظریہ سے انکار کیا تو اس کے رد میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے ابن خلدون کے رد میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاًالوہم المکنون فی رد علی ابن خلدون وغیرہ۔ (1)

بعض سادہ لوح افراد کا خیال ہے کہ تصور مہدویت فقط شیعوں کا تصور ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ چونکہ تاریخ میں شیعہ ہمیشہ سے مشکلات و مصائب کا شکار رہے ہیں لہٰذاان کو مایوسی سے نکالنے کے لیے اس قسم کے نظریات کا سہارا لیا گیا ہے حالانکہ امام مہدیؑ کے حوالے سے بعض کتابیں وہ ہیں جو ان کی ولادت سے بھی پہلے لکھی گئیں۔ ایک عام تاثر یہ ہے کہ امام مہدیؑ کے حوالے سے شیعہ و سنی میں اختلاف فقط یہ ہے کہ شیعہ امام کی ولادت کے قائل ہیں کہ آپ ۱۵ر شعبان المعظم ۲۵۵ ہجری کو امام حسن عسکریؑ کے گھر پیدا ہوئے جبکہ اہل سنت کا خیال ہے کہ آپ کی ولادت ابھی نہیں ہوئی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ یہ ایک بنیادی اختلاف ضرور ہے لیکن ہر عقیدہ میں ہم صرف اختلافات پر نظر رکھیں تو اختلافات کی فہرست تیار ہو سکتی ہے اس کے برخلاف اگر ہم مشترکات پر نظر رکھیں تو اس سے اتحاد بین المسلمین کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ اس طرح مہدویت ایک عامل وحدت بھی بن سکتا ہے۔ زیر نظر مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ تصور مہدویت کے حوالے سے شیعہ و سنی میں کن باتوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے اس کی فہرست بہت طویل ہے البتہ ان میں سے اہم نکات ہی کو زیر بحث لایا جائے گا۔

مہدی ایک شخصیت یا کردار؟

اس بات میں کوئی شیعہ و سنی اختلاف نہیں کہ امام مہدیؑ ایک خاص شخصیت ہیں نہ کہ ایک کردار۔ یہ صحیح ہے کہ لفظ مہدی ان کا نام نہیں ہے بلکہ ایک لقب ہے جس کا معنٰی ہے ہدایت یافتہ اور ہر ہادی کے مہدی ہونا ضروری ہے یعنی دوسروں کی ہدایت کے لیے ہدایت یافتہ ہونا ضروری ہے لیکن جس مہدیؑ کی آمد کی پیشن گوئی احادیث میں آئی ہے وہ ایک شخصیت ہیں جو آل رسولؐ اور آل علیؑ و فاطمہؑ میں سے ہوں گے اور آخری زمانے میں آئیں گے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر دور میں ایسے انقلابی رہنما آتے رہتے ہیں جو ظلم و جور کا نظام ختم کرکے عدل و انصاف کا نظام رائج کرتے ہیں اور وہی مہدی ہوتے ہیں آخر زمانے میں کوئی مخصوص مہدی آئیں گے یہ بھی ممکن ہے تاہم ضروری نہیں کہ صرف ان ہی کا انتظار کیا جائے۔ مولانا مودودی کا نظریہ بھی اسی قسم کا ہے تاہم یہ ان کی ذاتی رائے ہے علماء اہل سنت اس کے قائل نہیں ہیں۔(2) احادیث میں جس مہدیؑ کا تصور آیا ہے وہ ایک خاص شخصیت ہیں نہ کہ ایک عمومی کردار اس حوالے سے درج ذیل احادیث پر غور فرمایئے :

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللهُ فِي لَيْلَةٍ۔ (3)

یعنی: ”مہدیؑ ہم اہل بیت میں سے ہے اور خداوند عالم اس کے لیے راتوں رات حالات کو بہتر بنادے گا۔“

اسی کتاب میں جناب سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے :

كُنَّا عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ۔

یعنی: ”ہم جناب ام سلمہؓ کے ساتھ تھے کہ مہدی کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ مہدیؑ فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہوں گے۔“ (4)

شیعہ علماء تو اس سلسلے میں ہمیشہ سے واضح موقف رکھتے ہیں خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین وہ ہمیشہ سے ایک ایسے مہدیؑ کا انتظار کر رہے ہیں جن کی ولادت ہو چکی ہے اور وہ غیبت میں ہیں۔ شہید باقر الصدر لکھتے ہیں :

یعنی : ''تصور مہدی بحیثیت ایک قائد ورہبر کہ جس کا انتظار کیا جارہا ہے تاکہ وہ اس دنیا کو ایک بہتر حالت میں تبدیل کردے ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا احادیث رسول اکرم ﷺ اور روایات ائمہ اہلبیتؑ میں اس کثرت سے ذکر ملتا ہے کہ اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔'' (5)

گویا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام مہدیؑ رسول اکرم ﷺ کی نسل سے ہوں گے اور اولاد فاطمہؑ میں سے ہوں گے البتہ اہلسنت کے علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ضرور ہے کہ وہ امام حسنؑ کی اولاد سے ہوں گے یا امام حسینؑ کی تاہم شیعوں کے ہاں یہ مسلمہ امر ہے کہ وہ امام حسینؑ کی نویں پشت سے ہوں گے۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مختلف ادوار میں جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور اب بھی کرتے رہتے ہیں ان کو جانچنے کا ایک آسان نسخہ یہ بھی ہے کہ کیا وہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے ہیں یا نہیں؟اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی اور گوہر شاہی جیسے لوگوں کے دعوے تو باطل ہو جاتے ہیں جو سادات میں سے نہیں ہیں پھر بھی وہ خود یا ان کے ماننے والے مہدویت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

احادیث مہدویت کا تواتر:

اس میں شک نہیں کہ امام مہدیؑ کے حوالے سے احادیث کی کتابوں میں ایک خزانہ پوشیدہ ہے جس پر مشتمل کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور معجم اور موسوعہ تیار کیے جاچکے ہیں اس کے باوجود بعض لوگوں کو اس بات میں شک ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں اور شک کرنے والوں میں ابن خلدون جیسے لوگ بھی ہیں جن کو علم حدیث میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ایسے لوگوں کے لیے یہ بتانا کافی ہوگا کہ تصور مہدیؑ کے حوالے سے آنے والی کثیر روایات کے بارے میں شیعہ و سنی علماء تواتر کے قائل ہیں۔یعنی یہ احادیث اس کثرت کے ساتھ آئی ہیں کہ ہر دور میں اس کے کثیر اور معتبر راوی گذرے ہیں جس کے سبب ان پر شک نہیں کیا جاسکتا۔اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

تواترت الاخبار بان المهدی من هذه الامه و ان عیسی بن مریم سینزل و یصلی خلفه۔ (6)

یعنی: ''یہ بات تواتر کے ساتھ احادیث میں آئی ہے کہ اس امت میں ایک مہدیؑ ہوگا اور عیسی بن مریمؑ نازل ہوں گے تو ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔''

ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں:

و الاحادیث التی جاء فیها ذکر ظهور المهدی کثیرة متواترة۔ (7)

یعنی : ” وہ احادیث جن میں ظہور مہدیؑ کا ذکر ہوا ہے وہ کثیر اور متواتر ہیں۔ “

واضح رہے کہ اسلامی تعلیمات میں احادیث کا متواتر ہونا بڑی بات ہے کیونکہ احادیث کی تدوین و اشاعت کے جو مراحل رہے ہیں ان کی وجہ سے اکثر اسلامی موضوعات سے متعلق احادیث تواتر کی حد تک نہیں پہنچ پاتیں جس کی وجہ سے اختلافات جنم لیتے ہیں اور مختلف مکاتب فکر کے درمیان فکری و نظریاتی تصادم بھی سامنے آتا ہے۔

تصور مہدویت یا عقیدہ مہدویت؟

امام مہدیؑ کا انتظار کوئی عقیدہ ہے یا فقط ایک تصور؟ شیعوں کے ہاں امامت، توحید و نبوت کی طرح ایک عقیدہ ہے جس کے لیے دلائل کی ضرورت ہے پس امام مہدیؑ کا تصور بھی فقط ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک اسلامی عقیدہ ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت اور عقل و منطق پر ہے۔ نیز شیعہ و سنی کتابوں میں یہ جملہ مشترکہ طور پر ملتا ہے کہ ”من انکر خروج المهدی فقد کفر بما انزل علی محمد، ومن انکر نزول عیسیٰ فقد کفر ومن انکر خروج الدجال فقد کفر “یعنی : ”جس نے خروج مہدی کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور جس نے نزول عیسیٰ کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور جس نے خروج دجال کا انکار کیا اس نے بھی کفر کیا“ (8)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فقط شیعوں کا نظریہ نہیں ہے بلکہ علماء اہلسنت بھی اس کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ امام مہدیؑ کا قیام ایک عقیدہ ہے اور اس کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر ہے وہ کہتے ہیں :

ان عقیدة خروج المهدی ثابتة متواترة عنه ﷺ یجب الایمان بها : لآنها من امور الغیب والایمان بها صفات المتقین کما قال الم ذٰلك الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ان انکار ها لا یصدر الا من جاهل مکابر۔ أسأل الله تعالی أن یتوفانا علی الایمان بها و بکل ما صح فی الکتاب و السنة۔ (9)

یعنی : ''بے شک خروج مہدیؑ کا عقیدہ پیغمبر اکرم ﷺ سے ثابت شدہ اور متواتر ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ غیب کے امور میں سے ہے اور متقین کی صفات میں سے ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ : ال م یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ، یہ ان متقین کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کا انکار کسی نے نہیں کیا مگر جاہل اور خود پسند نے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ایمان پر موت دے اور جو کچھ کتاب و سنت میں صحیح صحیح درج ہے، اس پر۔

کم و بیش یہی نظریہ دیگر علماء اہلسنت ہے۔ جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو یہ بات اوپر بیان کی گئی ہے وہ تو اس کو اصول دین میں شمار کرتے ہیں۔ایک روایت میں امام جعفر صادق - ''الم ذٰلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين يومنون بالغيب ويقيمون الصلاة و مما رزقنٰهم ينفقون'' کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ متقین علی کے شیعہ ہیں اور غیب سے وہی حجت غائب ہیں یعنی مہدیؑ منتظر۔ (10)

سوال یہ ہے کہ جب شیعہ و سنی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ امام مہدیؑ کے قیام پر عقیدہ رکھنا اسلام کا حصہ ہے تو پھر دونوں کے ہاتھوں اسی شدت کے ساتھ اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ اس ظہور پر نور کی تیاری کریں بلکہ اس میں سبقت کریں تاکہ عالم اسلام کی موجودہ مایوسی کی کیفیت ختم ہو اور ایک جدوجہد کا راستہ واضح ہو۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عالم اسلام کے علماء و دانشور علمی مباحثہ و مقالے میں تو اس بارے میں دلائل دیتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن عملی طور پر امام مہدیؑ کا نام تک ان کی زبان سے سننے کو نہیں ملتا نہ ہی اس کی کوئی تیاری نظر آتی ہے اسی لیے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شیعہ عقیدہ ہے۔

عالمی حکومت کا قیام:

امام مہدیؑ کے حوالے سے جن نکات پر شیعہ و سنی کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے ان میں سے ایک ان کی عالمی حکومت کا قیام بھی ہے یعنی جب وہ ظہور فرمائیں گے تو کسی ایک خطہ کی اصلاح نہیں کریں گے بلکہ پوری دنیا پر ایک عالمی اسلامی نظام نافذ کریں گے اور ظلم وجور کی بیخ کنی کرکے عدل وانصاف کی بالادستی قائم فرمائیں گے۔
قرآن کریم میں ایک عالمی حکومت کا الٰہی وعدہ اور پیشن گوئی موجود ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ :

هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (11)

یعنی: ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان باطلہ پر غالب کردے خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی بری کیوں نہ لگے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ (12)

یعنی: ''اور ہم نے ذکر (تورات) کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث تو میرے صالح بندے ہوں گے۔''

وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (13)

یعنی: '' تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور عمل صالح بجالاتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو روئے زمین پر اسی طرح خلافت عطا کرے گا جس طرح تم سے پہلے والوں کو عطا کیا تھا اور ضرور ان کے اس دین کو تمکنت عطا کرے گا جس کو اس نے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا پس وہ صرف میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جو اس کے بعد بھی انکار کرے گا تو وہی فاسقوں میں سے ہوگا۔''

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔ (14)

یعنی: ''اور اللہ نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ وہ لوگ جو روئے زمین پر کمزور بنادیئے گئے ہیں ان کو قیادت عطا کرے اور انہی کو زمین کا وارث قرار دے۔''

درج بالا آیات ظاہر کررہی ہیں کہ اس دنیا کا موجودہ فاسق و فاجر والا نظام بالآخر ختم ہوجائے گا اور ایک عادلانہ نظام نافذ ہوگا۔ یہ عادلانہ نظام تاریخ کے مختلف ادوار میں دنیا کے بعض خطوں میں تو نافذ ہوچکا ہے لیکن پوری دنیا پر عادلانہ نظام کبھی نافذ نہیں ہوا۔ مثلاً عہد رسالت مآبؐ میں مکہ، مدینہ اور اطراف میں اسلامی نظام نافذ ہوا، رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی سرزمین اور زیادہ وسیع ہوگئی اور ایران، روم، فلسطین سب مسلمانوں کی قلمرو میں شامل ہوگیا اور افریقہ تک اسلامی ریاست کی سرحدیں پہنچ گئیں تاہم پورا افریقہ کبھی مسلمانوں کے تسلط میں نہیں آیا۔ پورا یورپ کبھی مسلمانوں کے

تسلط میں نہیں آیا۔ وسط ایشیا اور چین کبھی مسلمانوں کے زیر اثر نہیں آئے۔ آسٹریلیا میں تو کبھی مسلمانوں نے حکومت نہیں کی۔ الغرض پوری دنیا پر کبھی بھی اسلام کا نفاذ نہیں ہوا۔ کیا خدا کا یہ وعدہ پورا ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب وہ روایت ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام سے آئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ :

و قال أبو جعفر (علیه السلام) ان ذلك یکون عند خروج المهدی من آل محمد فلا یبقی أحد الا أقر بمحمد۔ (15)

یعنی: " یہ اس وقت ہوگا جب مہدیؑ آل محمد قیام کریں گے اس وقت کوئی ایسا نہیں بچے گا جو محمدؐ کی نبوت کا اقرار نہ کرے۔"

اہلسنت کے مآخذ میں بھی اس قسم کی بیسیوں روایات ہیں جن میں سے چند بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں۔

مسند امام احمد میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

قالَ رَسُولُ اللّهِ صلّی اللّه علیه و آله و سلّم لَنْ تَنْقَضِی اَلاَیّامُ وَاللّیالِی حَتّی یَبْعَثَ اللّهُ رَجُلاً مِنْ اَهْلِ بَیْتِی یُواطِءُ اِسْمُهُ اِسْمِی یَمْلاُها قِسْطاً وَعَدْلاً کَما مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْراً۔ (16)

یعنی: " یہ دن و رات ہر گز تمام نہیں ہوں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص کو نہ بھیج دے جس کا نام میرے نام پر ہوگا اور جو اس دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔"

ایک دوسری روایت میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ :

قالَ رَسُولُ اللّه صلّی اللّه علیه و آله و سلّم لَوْلَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیا اِلاّ یَوْمٌ واحِدٌ لَطَوَّلَ اللّهُ ذلِكَ الْیَوْمَ حَتّی یَبْعَثَ فِیهِ رَجُلاً مِنْ وِلْدِی یُواطِءُ اِسْمُهُ اِسْمِی یَمْلاُها عَدْلاً وَقِسْطاً کَما مُلِئَتْ ظُلْماً وَ جَوْراً۔ (17)

یعنی: " اگر دنیا کا ایک دن بھی بچ جائے تو خداوند عالم اس کو اس قدر طویل کردے گا کہ میرے فرزندوں میں سے ایک شخص اٹھے گا جس کا نام میرے نام پر ہوگا اور وہ اس دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔"

یہ احادیث جو شیعہ و سنی کے درمیان مشترکہ ہیں یہ ظاہر کررہی ہیں کہ آخر زمان میں جو امام مہدیؑ تشریف لائیں وہی درج بالا آیات کے حقیقی مصداق ہوں گے اور ان کی حکومت عالمی ہوگی جس میں اسلام

کو غلبہ ہوگا، مستضعفین کو امن و خوشحالی نصیب ہوگی اور صالحین کے ہاتھوں میں اقتدار ہوگا جس کے سبب معاشرے میں ہر طرف نیکی ہی نیکی ہوگی۔ یہ وہ آئیڈیل دور ہوگا جس کی پیشن گوئی اللہ کی کتاب میں آئی ہے تاہم اب تک پوری نہیں ہوئی ہے۔ پس اسی آئیڈیل دور کا انتظار تمام مسلمان کر رہے ہیں۔

مہدی اہل بیت رسول ﷺ

اس بات میں بھی شیعہ و سنی متفق ہیں مہدیؑ اہل بیت رسولؐ میں سے ہوں گے لہٰذا اسی بنیاد پر ابن خلدون کے اس معروف قول کو علماء اہلسنت نے بھی رد کیا ہے جو دراصل ایک روایت میں آیا ہے کہ " لا مہدی الا عیسیٰ " یعنی: " سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور مہدی نہیں ہے" اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ امام مہدیؑ اولاد پیغمبر ﷺ بلکہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ ہوں گے اور ترمذی اور دیگر کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ:

یلی رجل من أهل بیتی یواطی اسمه اسمی۔ (18)

اسی قسم کی روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے:

روی سعید بن مسیب قال: کنا عند أم سلمة فتذاکرنا المهدی فقالت: سمعت رسول الله ﷺ یقول: المهدی من عترتی من ولد فاطمه۔ (19)

شیعوں کے نزدیک تو یہ بات واضح ہے کہ امام مہدیؑ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں جو گیارہویں امام اور اولاد پیغمبر، اولاد علیؑ و فاطمہؑ اور اولاد امام حسینؑ ہیں۔ بحار الانوار کی روایت میں ہے: المهدی رجل من ولد فاطمه۔ (20)

علماء اہلسنت کے درمیان اس بات میں معمولی سا اختلاف ہے کہ امام مہدیؑ اولاد امام حسنؑ میں سے ہیں یا اولاد امام حسینؑ میں سے دونوں طرح کی روایتیں ملتی ہیں لیکن ہمارا موضوع چونکہ مشترکہ نکات بیان کرنا ہے اس لیے ہم بحث میں نہیں پڑ رہے ہیں۔ تاہم یہ بات ہم اوپر بھی کر آئے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کی مہدویت کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے جو آل رسولؐ نہیں۔

شمائل مہدی کے مشترکات :

امام مہدیؑ کے بعض شمائل کے حوالے سے بھی اتفاق پایا جاتا ہے مثلاً حاکم نیشاپوری نے امام کی شکل و صورت کے بارے میں وہی بات لکھی ہے جو بحار الانوار میں ہے :

المهدی منی أجلی الجبهة، أقنی الأنف یملأ الأرض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا۔ (21)

یعنی : ''مہدیؑ ہم میں سے ہے جن کی پیشانی چوڑی اور ناک بلند ہے وہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔''

یہ ایک اہم روایت ہے کیونکہ ہم اوپر یہ بات کہہ کر آئے ہیں کہ مہدی کسی کردار کا نہیں بلکہ ایک شخصیت کا نام ہے اگر یہ کردار کا نام ہوتا تو ان کی شکل و صورت کو اللہ کے رسولؐ اس طرح بتا کر نہ جاتے نیز شیعہ و سنی کتابوں میں اس قسم کی مشترکہ روایات کی موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے امت کو پہلے سے یہ بتا دیا ہے کہ جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں تو ان کے شمائل کو دیکھ کر بھی امت ان کی شناخت کر سکتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح گذشتہ انبیاء علیہم السلام آنے والے نبی کی شناخت بتا کر جایا کرتے تھے تاکہ امت کو شناخت میں دشواری نہ ہو۔

دو قدم آگے رسالت سے امامت ہو گی :

جب ہم شیعہ و سنی اتفاق کی بات کرتے ہیں تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ بات بھی مشترکہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اس سلسلے کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے البتہ امام مہدیؑ کے نام کے بغیر ہے :

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ۔ (22)

یعنی : ''جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے حق کی خاطر جہاد کرنے والے ہر گز ختم نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور یہ بھی فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور اس امت کے امیر کہیں گے کہ آگے بڑھیے اور نماز پڑھائیے لیکن وہ کہیں گے

کہ نہیں کیونکہ اس امت کے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر امیر قرار دیا گیا ہے اور ان کی عزت بڑھائی گئی ہے۔"

اس قسم کی کئی روایات شیعہ کتابوں میں ملتی ہیں مثلاً بحار الانوار میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

یابا بصیر ھو الخامس من ولد ابنی موسی ذلك ابن سیدۃ الاماٰء یغیب غیبۃ یرتاب فیھا المبطلون ثم یظھرہ اللہ عزوجل فیفتح علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا وینزل روح اللہ عیسی بن مریم علیہ السلام فیصلی خلفہ وتشرق الارض بنور ربھا۔ (23)

یعنی: "اے ابوبصیر میرے فرزند موسیٰ کی پانچویں پشت میں وہ سید و سردار ہوگا جس کی غیبت پر لوگ شک میں پڑ جائیں گے۔ پھر اللہ ان کو ظاہر کرے گا اور ان کے ہاتھوں پر مشرق و مغرب میں فتح دے گا اور اسی دوران روح اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اس طرح زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔"

اس موضوع پر صحیح بخاری میں بھی ایک روایت موجود ہے اور وہاں بھی لفظ مہدی موجود نہیں ہے فقط لفظ امیر لکھا ہوا ہے تاہم یہ بات دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امام مہدیؑ سے ملاقات کریں گے اور یہ واقعہ اسی وقت پیش آئے گا اور امام مہدیؑ ہی اس وقت امت کے امیر ہوں گے۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اس کو دوبارہ نقل کر دیتے ہیں:

تواترت الاخبار بان المھدی من ھذہ الامہ وان عیسی بن مریم سینزل ویصلی خلفہ (24)

یعنی: "یہ بات تواتر کے ساتھ احادیث میں آئی ہے کہ اس امت میں ایک مہدیؑ ہوگا اور عیسی بن مریم نازل ہوں گے تو ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔"

راتوں رات امام مہدی کے لیے راہیں ہموار ہوں گی:

ایسی کئی روایتیں شیعہ و سنی کتابوں میں ہیں جن میں یہ مشترکہ بات لکھی ہوئی کہ اگر دنیا کے خاتمہ میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خداوند عالم اس کو طویل کر دے گا اور ایک ہی رات میں امام مہدیؑ کے لیے راہیں ہموار کر دے گا۔ اس ایک رات کا مطلب کیا ہے؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں تاہم یہ محاورہ بہت سی احادیث میں آیا ہے مثلاً:

مسند احمد بن حنبل میں یہ حدیث ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

المهدی منا اهل البیت یصلحه الله فی لیلة۔ (25)

یعنی: "مہدیؑ ہم اہل بیتؑ میں سے ہے اللہ اس کی خاطر ایک ہی رات میں تمام معاملات درست کردے گا۔"

اسی مفہوم کی روایت شیخ صدوق نے کمال الدین میں لکھی ہے کہ امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

المهدی منا اهل البیت یصلحه الله فی لیلة۔ (26)

یعنی: "مہدیؑ ہم اہل بیتؑ میں سے ہے اللہ اس کی خاطر ایک ہی رات میں تمام معاملات درست کردے گا۔"

ایک رات کا محاورہ شاید اس طرف اشارہ ہے کہ امام مہدیؑ کی آمد، ان کا ظالمانہ نظام کے خلاف قیام، عادلانہ نظام کا نفاذ اور مظلوم اور مستضعف لوگوں کی بالادستی ایسا امر ہے کہ جو خداوند عالم کے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اس دنیا کے خاتمہ سے قبل اس نظام کا نفاذ اس قدر اہم ہے کہ اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی رہے تو خداوند عالم اس کام کو ضرور کرے گا اور عدل و انصاف کی بالادستی سے پہلے دنیا کا ختم کرنا مصلحت خداوندی کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ پھر اس نکتہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے کہ شیعہ و سنی کے نزدیک اس مشترکہ حدیث سے اس عالمی انقلاب کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

رکن والمقام پر بیعت:

شیعہ و سنی محدثین اس بات پر متفق ہیں امام مہدیؑ جب ظہور فرمائیں گے تو وہ رکن والمقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے۔ رکن سے مراد رکن یمانی اور مقام سے مراد مقام ابراہیمؑ ہے جو کہ خانہ کعبہ میں بھی قابل قدر مقامات ہیں۔ اس حوالے سے مستدرک حاکم کی روایت جناب ام سلمہؓ سے آئی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

عن أم سلمة رضی الله عنها، قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: «یبایع لرجل من أمتی بین الرکن والمقام، کعدة أهل بدر۔ (27)

یعنی: " جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے لوگ رکن والمقام کے درمیان بیعت کر رہے ہوں گے جن کی تعداد اہل بدر کے برابر ہو گی۔"

مقدسی شافعی اپنے سند سے حذیفہ یمانی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے امام مہدیؑ کے بارے میں فرمایا :

یبایع له الناس بین الرکن والمقام، یرد الله به الدین ویفتح له فتوح، فلا یبقی علی وجه الأرض الا من یقول: لا اله الا الله۔(28)

یعنی: " لوگ ان کی بیعت رکن والمقام کے درمیان کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین کو واپس پلٹائے گا اور ان کو ہر طرح کی کامیابی عطا فرمائے گا اور اس روئے زمین پر کوئی ایسا باقی نہیں بچے گا جو لاالٰہ الا اللہ نہ کہے۔"

یہ تو تھے سنی کتابوں کے حوالے اب یہی مفہوم ایک معروف شیعہ کتب میں دیکھئے۔ غیبت نعمانی میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

والله یا بنی هلال مهدی هٰذه الامة الذی یملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلماً و جوراً والله انی لأعرف جمیع من یبایعه بین الرکن والمقام و اعرف اسماء الجمیع وقبائلهم۔ (29)

یعنی: " قسم بخدا اے بنی ہلال، اس امت کا مہدیؑ وہ ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا جس طرح کہ یہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ قسم بخدا میں ان سب کو جانتا ہوں جو رکن و مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے اور ان کے ناموں سے بھی واقف ہوں اور ان کے قبائل سے بھی۔"

طبرانی اور سنن بوداؤد میں بھی اس مفہوم کی احادیث موجود ہیں۔

مشترکہ علائم ظہور:

امام مہدیؑ کے ظہور کے حوالے سے علامات بھی نہایت اہم ہیں۔ اکثر کتب احادیث میں دو طرح کی علامات ملتی ہیں ایک علائم قیامت اور ایک علائم ظہور مہدیؑ۔ بعض اوقات ان میں گڈ مڈ بھی کر دیا جاتا ہے کیونکہ دونوں میں جو چیز مشترکہ نظر آتی ہے وہ زمانے کی فتنہ پردازیاں ہیں اسی لیے اس قسم کی روایات کتاب الفتن میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض ظہور کی علامات میں بھی شیعہ

و سنی میں اتفاق پایا جاتا ہے خصوصاً حتمی علامات کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کی کتابوں میں احادیث و روایات موجود ہیں جیسے :

الف: قیام قائم سے قبل ایک اسلامی ریاست کا قیام:

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قیام قائم سے قبل خراسان میں ایک ایسی اسلامی ریاست قائم ہو گی جس کا مقصد امام کے ظہور کے لیے راہیں ہموار کرنا ہوگا۔ جو مشرق کی طرف سے سیاہ پرچم کے ساتھ حضرت کی مدد کے لیے آئیں گے۔ احادیث میں کثرت سے اس کی طرف اشارہ ہے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً ابن ماجہ میں رسول اکرمؐ کا یہ قول ہے کہ :

یخرج قوم من المشرق یوطئون للمهدی سلطانه

یعنی :" مشرق کی جانب سے ایک قوم نکلے گی جو مہدی کی مدد کرے گی تاکہ وہ حکومت حاصل کر سکیں۔" (30)

مسند احمد بن حنبل میں ہے: ثوبان نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اذا رأیتم الرایات السود قد أقبلت من خراسان فأتوها ولوحبوا علی الثلج۔ (31)

یعنی: "جب تم دیکھو کہ خراسان کی طرف سے سیاہ پرچم حرکت کر رہا ہے تو اس کا ساتھ دو خواہ تمہیں برف پر گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے۔"

ایسی حدیثیں شیعہ کتب میں مثلاً بحار الانوار میں بھی ہیں جیسے :

یخرج ناس من المشرق، فیوطئون للمهدی۔ (32)

یعنی: " مشرق کی جانب ایک گروہ قیام کرے گا جو مہدی کو حکومت عطا کرنے میں مدد کرے گا۔"

ایک دوسری حدیث میں بحار الانوار میں آیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

عن ثوبان أنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله: اذا رأیتم الرایات السود قد أقبلت من خراسان فائتوها ولوحبوا علی الثلج فان فیها خلیفة الله المهدی۔ (33)

یعنی: " ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچم دیکھو تو اس کی طرف آجاؤ چاہے برف پر گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے کیونکہ ان کے ساتھ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔"

ب: سفیانی کے لشکر کی تباہی:

امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد جب خراسانی کا لشکر امام کی نصرت کے لیے نکلے گا تو اسی دوران شام میں سفیانی کا لشکر ظاہر ہوگا جس شام اور عراق میں تباہی مچائے گا۔ بعد ازاں جب یہ لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوگا تو وہ مقام بیداء میں زمین میں دھنس جائے گا اور اس طرح تباہ ہو جائے گا۔ لشکر سفیانی کا زمین بیداء میں دھنسنا شیعہ و سنی دونوں کتابوں میں موجود ہے مثلاً صحیح مسلم کی کتاب الفتن میں ایک باب ہے باب الخسف بالجیش (لشکر کا زمین میں دھنسنا) جس کی پہلی حدیث میں ہے جب جناب ام سلمہؓ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا لشکر ہے جو زمین میں دھنس جائے گا تو انہوں نے حضورؐ کا قول نقل کیا:

يَعُوذُ عَائِذٌ بِالْبَيْتِ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الأَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ۔ (34)

یعنی: ''پناہ لے گا ایک پناہ لینے والا خانہ کعبہ کی (مراد امام مہدیؑ ہیں) اس کی طرف لشکر بھیجا جاوے گا۔ وہ جب ایک میدان میں پہنچیں گے تو دھنس جاویں گے۔''

اس حدیث میں سفیانی کا نام نہیں ہے لیکن مستدرک حاکم میں جو حدیث ہے اس میں واضح طور پر سفیانی کا نام دیکھا جاسکتا ہے:

عن أبي هريرة رضى الله عنه ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يخرج رجل يقال له: السفياني في عمق دمشق ، وعامة من يتبعه من كلب ، فيقتل حتى يبقر بطون النساء ، ويقتل الصبيان ، فتجمع لهم قيس فيقتلها حتى لا يمنع ذنب تلعة ، ويخرج رجل من أهل بيتي في الحرة فيبلغ السفياني ، فيبعث اليه جندا من جنده فيهزمهم ، فيسير اليه السفياني بمن معه حتى اذا صار ببيداء من الأرض خسف بهم ، فلا ينجو منهم الا المخبر عنهم" " هذا حديث صحيح الاسناد على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه"۔ (35)

شیعہ کتب میں بھی اس قسم کی روایات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں مثلاً:

اذ أقبلت رايات من قبل خراسان وتطوى المنازل طيا حثيثا، ومعهم نفر من أصحاب القائم، ثم يخرج رجل من موالي أهل الكوفة في ضعفاء فيقتله أمير جيش السفياني بين الحيرة والكوفة، ويبعث السفياني بعثا الى المدينة فينفر المهدي منها الى مكة، فيبلغ أمير جيش السفياني أن المهدي قد خرج الى مكة،

فیبعث جیشا علی أثرہ، فلا یدرکہ حتی یدخل مکۃ خائفا یترقب علی سنۃ موسی بن عمران علیہ السلام۔ قال: فینزل أمیر جیش السفیانی البیداء، فینادی منادمن السماء "یا بیداء أبیدی القوم" فیخسف بھم فلا یفلت منھم الا ثلاثۃ نفر یحول اللہ وجوھھم الی أقفیتھم وھم من کلب۔ (36)

درج بالا احادیث اس بات کا اشارہ دے رہی ہیں کہ ایک لشکر خراسانی کا ہوگا اور ایک سفیانی کا۔ ایک امام مہدیؑ کے یاور و انصار کا ہوگا اور ایک ان کے خلاف برسرپیکار۔ ان دونوں کا مقابلہ نہیں ہوسکے گا کیونکہ مقابلے سے پہلے ہی سفیانی کا لشکر تباہ ہو جائے گا۔ البتہ سفیانی کا لشکر اس تباہی سے قبل شام اور عراق میں کافی تباہی مچا چکا ہوگا یہاں تک کہ خواتین اور بچوں کو قتل کر چکا ہوگا اور پھر وہ امام مہدیؑ کے لشکر سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے گا جب وہ مدینہ پہنچے گا تو پتہ چلے گا کہ امام مکہ میں ہیں پھر وہ مکہ کی طرف جائے گا لیکن مقام بیدا پر زمین میں دھنس جائے گا۔

حکومت مہدی کی کیفیت:

تمام تر کوششوں کے بعد جب ایک عادلانہ، عالمی، اسلامی حکومت قائم ہوگی اور صالحین کے ہاتھوں میں اقتدار آجائے گا تو پھر ہر طرح کی مادی و معنوی خوشحالی بھی ہوگی۔ اس بات میں بھی شیعہ و سنی کے درمیان اتفاق ہے کہ جب امام مہدیؑ کی عالمی حکومت قائم ہوگی تو دنیا میں اقتصادی خوشحالی ہوگی۔ اس سلسلے میں وہ روایت قابل ذکر ہے جس کو بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ اور ابو سعید خدری سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَطُوفُ الرَّجُلُ فِیہِ بِالصَّدَقَۃِ مِنْ الذَّھَبِ ثُمَّ لَا یَجِدُ أَحَدًا یَأْخُذُھَا مِنْہُ۔ (37)

یعنی: ''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا زمانہ لوگوں پر ضرور آئے گا کہ لوگ سونا صدقہ کے طور پر لے کر پھر رہے ہوں گے لیکن کوئی مستحق لینے والا نہیں ملے گا۔''

اس قسم کی ایک روایت بخاری میں بھی ہے: مسلم نے یہ بھی لکھا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ لَیُوشِکَنَّ أَنْ یَنْزِلَ فِیکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ صلی اللہ علیہ وسلم حَکَمًا مُقْسِطًا فَیَکْسِرَ الصَّلِیبَ وَیَقْتُلَ الْخِنْزِیرَ وَیَضَعَ الْجِزْیَةَ وَیَفِیضَ الْمَالُ حَتَّی لاَ یَقْبَلَهُ أَحَدٌ۔ (38)

یعنی: ”فرمایا رسول اکرم نے کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم ابن مریم کے تمہارے درمیان نازل ہونے میں کوئی شک نہیں، اس دور میں انصاف پر مبنی فیصلے ہونگے، صلیب توڑ دئے جائیں گے، خنزیر کو قتل کر دیا جائے گا اور جزیہ اٹھالیا جائے گا اور اس قدر مال عطا کیا جائے گا کہ کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔“

بحار الانوار میں ہے:

عن أبی سعید قال قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: یکون المهدی فی امتی، فان قصر عمره فسبع والا فثمان أو تسع، تتنعم امتی فی زمانه تنعما لم یتنعم مثله قط، البر منهم والفاجر" یرسل السماء علیهم مدرارا " ولا تحبس الارض شیئا من نباتها، ویکون المال کدوسا۔ (39)

یعنی: ” ابو سعید سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مہدی میری امت میں ہوگا جب عمریں ستر، اسی یا نوے سال ہوں گی، اس دور میں میری امت پر ایسی نعمتیں نازل ہوں گی جو اس سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوئیں جن سے ہر شخص مستفید ہوسکے گا۔ آسمان سے مسلسل بارش ہوگی (یعنی قحط سالی نہیں ہوگی) زمین کسی درخت کو چھپائے گی نہیں اور لوگوں کو بھر بھر کے مال ملے گا۔“

یہ سب نعمتیں یقینا اس عادلانہ الٰہی نظام کے نفاذ کی برکتیں ہوں گی کیونکہ اس کی سرپرستی امام مہدیؑ کے ہاتھوں میں ہوگی اور صالحین کے ہاتھوں میں اقتدار ہوگا۔ حکومت عالمی ہوگی لہٰذا سرحدی تنازعات اور ان کی خاطر بے تحاشہ اخراجات نہیں ہوں گے۔ انسان کی تمام تر صلاحتیں فقط انسانیت کی فلاح کے لیے استعمال ہوں گی جبکہ آج بہترین انسانی صلاحیتیں تباہی پھیلانے والے آلات، اوزار اور ہتھیار بنانے میں استعمال ہو رہی ہیں۔ وسائل پر چند لوگوں کا قبضہ ختم ہو جائے گا تو خود بخود غربت، جہالت، بیماری اور بیروزگاری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حدود اللہ کا نفاذ ہوگا تو مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا اس طرح معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہوگا۔ ان تمام باتوں میں شیعہ و سنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے پس ان باتوں

کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کے تمام فرقے مل کر اس ظہور پر نور کا انتظار کریں اور اس کے لیے راہیں ہموار کریں۔

اب جبکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام مہدیؑ کی آمد کے حوالے سے بہت بنیادی قسم کے تصورات میں شیعہ وہ سنی کے درمیان کوئی فرق نہیں تو عقیدہ مہدویت کو شیعہ عقیدہ نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ ہی اس کا انتظار صرف شیعوں کو کرنا چاہئے۔ جہاں تک اختلافی امور کا تعلق ہے تو بنیادی اختلافی بات امام کی ولادت ہے۔ دیگر اختلافات کا تعلق بھی اسی مسئلہ سے مربوط ہے مثلاً ان کی غیبت کی کیفیت اور طول عمر وغیرہ کا مسئلہ لیکن کیا امام کی ولادت کو صرف شیعہ مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے یا علماء اہلسنت نے بھی امام حسن عسکریؑ کے ہاں ایک فرزند کی ولادت کو نقل کیا ہے۔ یہ خود ایک موضوع ہے جو فی الوقت ہمارا موضوع نہیں ہے تاہم اس پر بھی کافی کام ہوا ہے استاد علی اصغر رضوانی نے شیعہ شناسی میں چالیس ایسے علماء اہلسنت کے اقوال کو جمع کیا ہے جنہوں نے امام کی ولادت کو نقل کیا ہے۔ (40) اگر اس طرح دیکھیں تو اس میں کوئی علماء اہلسنت کا اجماع نہیں ہے کہ امام کی ولادت نہیں ہوئی راہم معروف نظریہ یہی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔الوھم المکنون فی الرد علی ابن خلدون، ابو العباس بن عبد المومن المغربی کی وہ کتاب ہے جو ابن خلدون کے اس نظریہ کے خلاف لکھی گئی ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ۔

2۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب تجدید واحیاء دین میں اسی نظریہ کو بیان کیا ہے۔

3۔ سنن ابن ماجہ حدیث ۴۰۷۵، مکتبۃ الشاملۃ

4۔ایضاً حدیث ۴۰۷۶

5۔ شہید باقر الصدر، بحث حول المہدی، تحقیق دکتر عبد الجبار شرارۃ، ص ۶۳۔ ۶۴

6۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، دار المعرفۃ، بیروت، ج ۶، ص ۴۹۴، حدیث ۳۲۶۵

7۔ الصواعق المحرقۃ، ابن حجر الہیثمی، بحوالہ شیعہ شناسی، علی اصغر رضوانی، نشر مشعر، قم، ج ۲، ص ۲۰۳

8۔ فرائد السمطین ج ۲، ص ۲۳۴، باب ۶۱، الحاوی للفتاوی ج ۲، ص ۸۳، عقد الدرر ص ۱۵۷
9۔ مجلّہ التمدن الاسلامی، ج ۲۲، ص ۲۴۳، دمشق
10۔ کمال الدین ج ۲، ص ۳۴
11۔ سورہ توبہ ۳۳
12۔ سورہ انبیاء ۱۰۵
13۔ سورہ نور ۵۵
14۔ سورہ قصص ۴
15۔ علامہ طبرسی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر آیت ۳۳ سورہ توبہ
16۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۳ ص ۷۱
17۔ مستدرک حاکم، ج ۴، در آخر کتاب: الفتن والملاحم، ص ۵۵۷
18۔ جامع ترمذی ج ۴، ص ۵۰۵، مسند احمد ج ۱، ص ۳۷۶
19۔ سنن ابن ماجہ ج ۲، حدیث ۴۰۸۶
20۔ بحار الانوار ج ۵۱، ص ۴۳، حدیث ۳۲
21۔ مستدرک حاکم ج ۴، س ۵۵۷، سنن ابی داؤد ج ۴، ص ۲۰۶، بحار الانوار ج ۵۱، ص ۹۰، حدیث ۳۹
22۔ صحیح مسلم حدیث ۵۲۲
23۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۴۶
24۔ فتح الباری ج ۵، ص ۳۶۲
25۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۸۴، سنن ابن ماجہ ج ۲، ص ۱۳۶۷، باب ۳۴، حدیث ۴۰۸۵
26۔ کمال الدین ج ۱، ص ۵۲، حدیث ۱۵
27۔ مستدرک حاکم جز ۱۹، ص ۲۰۵
28۔ عقد الدرر ص ۲۲۲، باب ۹، فرائد الفکر ص ۹، باب ۴
29۔ غیبت نعمانی ص ۸۱، باب ۴، حدیث ۱۰
30۔ سنن ابن ماجہ ج ۲، حدیث ۴۰۸۸، کنز العمال ج ۱۴، حدیث ۳۸۶۵۷
31۔ مسند احمد ج ۵، ص ۲۷۷، مستدرک حاکم ج ۴، ص ۵۰۲

32۔ بحار الانوار، ج۵۱، ص۸۷، باب ۱، حدیث ۳۱

33۔ ایضاً، ج۵۱، ص ۸۲ تا ۸۳

34۔ مسلم ج ۶، ص ۴۱۷، مترجم علامہ وحید الزمان، نعمانی کتب خانہ، لاہور (قوسین میں امام مہدیؑ مترجم نے لکھا ہے)

35۔ مستدرک حاکم ج ۱۹، ص ۴۹۰

36۔ معجم احادیث امام مہدی، ج ۳، ص ۱] [موسوعہ الامام المہدی، محمد الصدر، ج ۱۵، ص ۱۰

37۔ صحیح مسلم ج ۴، ص ۴۳۲۲، باب ۱۸، حدیث ۲۹۱۳ اور بخاری ج ۳، ص ۴۲۶، حدیث ۱۴۱۴

38۔ ایضاً، ج ۱، ص ۹۳، حدیث ۴۰۶

39۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۳۶۹

40۔ علی اصغر رضوانی، شیعہ شناسی، ج ۲، ص ۲۳۱، نشر مشعر، قم

اقتصادی عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں

روشن علی*

خلاصہ

اقتصاد کا لغوی معنیٰ "میانہ روی اور اچھا چال چلن" ہے۔ اصطلاح میں ایسے وسائل کی دریافت کو "اقتصاد" کہتے ہیں جو دولت وثروت پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اس کے خرچ کے صحیح استعمال کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔ نیز عدل کے معنی کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا ہے، ہر حقدار کو اس کا حق دینا، کسی چیز کو اپنے موزوں مقام پر رکھنا وغیرہ ہیں۔ حضرت امام علی (ع) کے معاشی نظام پر نظر کی جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے جو اقتصادی نظام دیا اس میں کاروبار اور تجارت کی آزادی کے ساتھ پیداواری وسائل عوام کی ملکیت تھے اور ہر شخص معیشت کے مختلف ذرائع اختیار کرنے میں آزاد تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالب (ع) نظام معیشت کو اس نہج پر قائم کرنا چاہتے تھے، کہ ہر انسان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ حضرت علی (ع) کے مطابق مسلمانوں کا ذاتی مال، مال فیٔ، خمس، صدقات اور خراج اقتصادیات کی بنیاد ہیں۔

حضرت امام علی (ع) کے نزدیک ذخیرہ اندوزی ملک اور ملت کے لیے انتہائی نقصان دہ چیز ہے۔ اگر کوئی تاجر ذخیرہ اندوزی کرے تو حکومت ایسے تاجروں کے خلاف ایسے اقدام کرے کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائیں۔ آپ کی نظر میں خراج اور ٹیکس ادا کرنے والوں کی اصلاح بھی ضروری ہے اور خراج دینے والوں کی اصلاح کی بدولت ہی دوسروں کے اقتصادی حالات بھی درست کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت علی (ع) زکوۃ جمع کرنے والوں کو عوام کے ساتھ زیادتی نہ کرنے اور مال کو مالک کی مرضی کے مطابق تقسیم کرنے کی خصوصی ہدایت کرتے تھے۔ آپؑ نے جب اقتدار سنبھالا تو پیغمبر اکرم (ص) کی سنت کے مطابق ہر شہر کا بیت المال اُسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کیا۔ امام (ع) کے نزدیک بیت المال غریبوں، ناداروں، یتیموں، بوڑھوں اور مسکینوں کا حق ہے۔

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام میں سے جو یتیم ہیں یا یتیموں کی پرورش کرنے والے ہیں اور جو بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں ان کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔ امام علیؑ اپنے خطبوں، خطوط اور اقوال میں اپنے تمام گورنروں کو عدل قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ عدل اور انصاف کا ایک حصّہ اقتصادی انصاف اور مالی امور کے توازن کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کی نظر میں اگر مالیات دینے والے کسی مشکل کی وجہ سے ٹیکس اور خراج کی گرانباری کی شکایت کریں تو خراج کے وصول میں کمی کی جائے۔ حضرت علی (ع) کے مطابق مسلمان حکمران کی ایک اہم ذمہ داری بیت المال کی جمع آوری اور اس کی نگرانی ہے۔ بیت المال کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام کی ایک روش یہ بھی تھی کہ آپ بیت المال سے غصب کیے ہوئے اموال واپس لوٹاتے تھے اور عاملین زکوۃ اور گورنروں کو ہدایت و نصیحت کرتے اور انہیں بیت المال میں خیانت کرنے کے نتائج سے آگاہ فرماتے تھے۔

---

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، ایف 10/3 اسلام آباد

ا۔ اقتصادی عدالت کا معنی و مفہوم

اقتصاد کا لغوی معنی "میانہ روی اور اچھا چلن" ہے۔ اصطلاح میں ایسے وسائل کی "دریافت" کو اقتصاد کہتے ہیں جو دولت و ثروت پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی نابودی اور بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔ جہاں تک عدالت اور عدل کا تعلق ہے تو "عدل" کے معنی کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا اور ہر حقدار کو اپنا حق دینا یا کسی چیز کو اپنے موزوں مقام پر رکھنا وغیرہ ہیں۔

اقتصادی عدالت سے مراد: بیت المال کی تقسیم میں عدل و انصاف قائم کرنا اور ہر حقدار کو اس کا حق دینا ہے۔ اقتصادی عدل و انصاف کو اسلام کا سب سے بڑا مقصد سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ بنیادی طور پر کوئی بھی قوم یا مکتبِ فکر، سماجی انصاف کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ سماجی عدل اور انصاف کا تعلق براہ راست قوموں اور حکومتوں کی بقاء سے ہے۔

یہاں ہم حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں نہج البلاغہ سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ امام (ع) نظام معیشت کو عدل کی بنیادوں پر استوار کر کے طبقاتی تفریق کی راہیں بند کرنا چاہتے تھے، تاکہ معاشرے میں معاشی توازن قائم کیا جاسکے اور معاشرہ غربت اور امارت کے لحاظ سے دو طبقوں میں اس طرح نہ بٹ جائے کہ ایک طرف فلک بوس عمارتیں ہوں، توں دوسری طرف شکستہ جھونپڑے۔ ایک طرف فاخرہ ملبوسات ہوں، تو دوسری طرف پھٹے پرانے کپڑے۔ ایک طرف امراء بلکہ ان کے کتے بھی شکم سیر ہوں، تو دوسری طرف فاقوں سے دم توڑتے ہوئے انسان۔

حضرت امام علی (ع) کے معاشی نظام پر نظر کی جائے تو یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ کاروبار اور تجارت کی آزادی کے ساتھ پیداواری وسائل عوام کی ملکیت ہیں اور ہر شخص معیشت کے مختلف ذرائع، یعنی زراعت، تجارت، دستکاری، صنعتکاری وغیرہ کے اختیار کرنے میں آزاد تھا۔ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نظام معیشت کو اس نہج پر قائم کرنا چاہتے تھے کہ ہر انسان کی ضروریات پوری ہوں۔ پیداوری وسائل اور معیشت کے جملہ شعبوں میں سب کے حقوق مساوی ہوں اور سب کو سعی و کاوش اور کسب وکار کے یکساں مواقع میسر ہو سکیں۔ امیر المؤمنین (ع) فقیروں اور مسکینوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ان الله فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقراء فما جاع الفقیر الا بما متع به غنی والله تعالیٰ سائلهم عن ذالك۔" (1)

یعنی: " اللہ تعالی نے دولتمندوں کے مال میں فقیروں کی روزی کا حصہ رکھا ہے؛ اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لیے کہ دولت مند نے دولت کو سمیٹ لیا ہے اور اللہ تعالی ان سے اس کا مواخذہ کرنے والا ہے۔"

۲۔ اقتصادیات کی بنیاد

یہاں ہم ان چیزوں کو واضح کریں گے جن سے معیشت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اشیاء جو اقتصادیات کی بنیاد ہیں، ان میں سے چند ایک کا ذکر حضرت علی علیہ السلام یوں کرتے ہے:

" انّ هٰذا القرآن انزل علی النّبیّ صلّی الله علیه و آله وسلّم و الاموالُ اربعةٌ: اموال المسلمین فقسّمها بین الورثة فی الفرائض؛ و الفیء فقسّمه علی مستحقیه؛ والخمس فوضعه الله حیث وضعه؛ و الصدقات فجعله الله حیث جعلها۔" (2)

یعنی: " جب قرآن نبی (ص) پر نازل ہوا، تو اس وقت چار قسم کے اموال تھے۔ ایک مسلمانوں کا ذاتی مال تھا، اسے آپ (ص) نے ان کے وارثوں میں ان کے حصہ کے مطابق تقسیم کیا۔ دوسرا مال فَیئَ تھا اسے اس کے مستحقین پر تقسیم کیا۔ تیسرا مال، خمس کا تھا اس مال کے اللہ تعالی نے خاص مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ اور چوتھا صدقات کا مال تھا، انہیں اللہ نے وہاں صرف کرنے کا حکم دیا جو ان کا مصرف ہے۔"

اس قول میں درج ذیل چار قسم کے اموال کا ذکر ہے: ۱) مسلمانوں کا ذاتی مال؛ ۲) مال فئ؛ ۳) خمس؛ ۴) صدقات۔ یہاں ان میں سے ہر ایک کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

ا۔ مسلمانوں کا ذاتی مال

مسلمانوں کا وہ مال جو انہوں نے جائز طریقے سے کمایا ہے، وہ ان کا ذاتی مال ہے، جس کو وہ اپنی مرضی سے اللہ تعالی کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق خرچ کر سکتے ہیں۔ اس مال کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

" وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔" (3)

یعنی: " اور خبردار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرنا۔ مردوں کے لیے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لیے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کہ وہ بیشک ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جس نے جتنا کمایا ہے وہ اس کا ذاتی مال ہے، چاہے کتنا ہی ہو۔ دوسرا وہ مال جو ان کے والدین یا رشتہ دار ترکہ کے طور پر چھوڑ جائیں وہ انہیں میراث میں ملے، تو وہ بھی ان کا ذاتی مال ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔" (4)

یعنی: " اور جو مال ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور اس میں مردوں کا ایک حصہ ہے اور ایسا ہی جو مال والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اس میں تھوڑا ہو یا بہت عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے۔ یہ حصہ ایک طے شدہ امر ہے۔"

۲۔ مال فیٔ

جو مال مسلمانوں کو کفار سے بغیر جنگ مل جائے، چاہے کفار میدان جنگ میں وہ مال چھوڑ کر بھاگ جائیں یا وہ مسلمانوں کو جزیہ اور ٹیکس دینے پر راضی ہو جائیں، ان دونوں صورتوں میں حاصل شدہ مال کو مالِ فیٔ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" (5)

یعنی: " نیز جو کچھ اللہ اپنے رسول کو ان یہود سے لوٹا دے تو وہ ایسی چیز ہے جس پر قبضہ کرنے کے لئے (تم نے کوئی زحمت نہیں اُٹھائی) نہ تم نے اس کے لئے گھوڑے دوڑائے، نہ کوئی اُونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے۔"

۳۔ خمس

اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں پانچواں حصہ نکالنے کو خمس کہا جاتا ہے۔ خمس کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ'' یعنی: '' اور جان لو کہ جو غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو۔'' (6)

۴۔ صدقات (زکوۃ، خیرات وغیرہ)

صدقات کا دائرہ بہت وسیع ہے، جس میں زکوۃ، خیرات وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: '' اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ'' (7) یعنی: '' نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔''اسی طرح حضرت علی (ع) کا نہج البلاغہ میں ارشاد ہے: ''و ایتاء الزکوٰۃ فانّھا فریضۃ واجبۃ'' (8) یعنی: ''زکوۃ کا ادا کرنا؛ یقینا یہ ایک واجب فریضہ ہے۔'' زکوۃ کے بارے میں ایک اور خطبہ میں امام (ع) ارشاد فرماتے ہیں:

''انّ الزکوٰۃ جعلت مع الصلوٰۃ قرباناً۔۔۔ حجازاً ووقایۃً۔'' (9)

یعنی: ''مسلمانوں کے لیے نماز کے ساتھ زکوۃ کو اللہ تعالی کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جو شخص اسے اللہ تعالی کی خشنودی کے لیے ادا کرے گا، اس کے لیے یہ گناہوں کا کفارہ اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔''

صدقات کے بارے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ: '' سوسوا ایمانکم بالصدقۃ وحصّنوا اموالکم بالزکوٰۃ'' (10) یعنی: '' صدقہ دے کر اپنے ایمان کی حفاظت کرو اور زکوۃ دے کر اپنا مال بچاؤ۔''اسی طرح قرآن مجید میں بھی اللہ تعالی کا ارشاد ہے: '' خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا'' (11) یعنی: ''اُن کے اموال میں سے صدقہ (زکوۃ) لے لو تاکہ انہیں اس کے ذریعہ پاک کر دو اور

ان کی تربیت کرو۔" ان چار کے علاوہ اور بہت سے طریقے ہیں جہاں سے مال کا حصول کیا جا سکتا ہے، ان میں سے چند اہم طریقوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۵۔ خراج

اقتصادیات کا ایک اہم ذریعہ خراج ہے، جو کہ عوام اپنی حکومت کو ادا کرتی ہے۔ خراج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت خراج ادا کرنے والوں کی اصلاح کو پیش نظر رکھے، کیونکہ جیسے آبادی زیادہ ہو گی تو ویسے وہ زیادہ سے زیادہ خراج ادا کریں گے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر مقرر کرتے وقت ہدایت کرتے ہیں:

"وتفقّد امرالخراج۔۔۔ کلّھم عیالٌ علی الخراج و اھلہ۔" (12)

یعنی: "خراج کے معاملہ میں خراج ادا کرنے والوں کی اصلاح و مفاد پیش نظر رکھنا، خراج اور خراج دینے والوں کی اصلاح کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان کے بغیر اصلاح ممکن ہی نہیں؛ اسی لیے کہ سب انسانوں کا دار و مدار خراج اور خراج دینے والوں پر ہی ہے۔"

۶۔ زمین کی آبادکاری

اقتصادیات کے حصول کا دوسرا اہم ذریعہ زمین کی آبادکاری (زراعت) ہے۔ جتنی زمین زرخیز ہو گی اور اس کی دیکھ بھال کی جائے گی، اتنا ہی زیادہ فائدہ ہو گا۔ اس سے ملک اور قوم خوشحال ہو جائے گی۔ لہٰذا حکومت پر لازم ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ زمین کی آبادی پر توجہ دے کیونکہ کھانے اور پہننے وغیرہ کی چیزوں کا دار و مدار زمین کی آبادکاری پر ہوتا ہے۔ حضرت علی (ع) زمین کی آبادکاری کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ولیکن نظرك فی عمارۃ الارض ابلغ من نظرك فی استجلاب الخراج۔۔۔ و اھلك العباد ولم یستقم امرہ الّا قلیلًا۔" (13)

یعنی: "خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادکاری کا خیال رکھنا، کیونکہ کہ خراج بھی تو زمین ہی کی آبادی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے، وہ ملک کی بربادی اور بندگانِ خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ اس کی حکومت تھوڑے دنوں سے زیادہ نہیں رہ سکتی۔"

۸۔۷ تجارت اور صنعت

تجارت اور صنعت اقتصادیات کے حصول کے اہم ذرائع ہیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی کا دار و مدار تجارت اور صنعت پر ہوتا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ حاکم، تجارت اور صنعت کے فروغ کی ہر ممکن کوشش کرے، تاجروں اور صنعت گروں کی ہر ممکن مدد کرے اور انہیں تمام سہولیات فراہم کرے، کہ وہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کمائیں، جس سے ملک اور ملت کو فائدہ پہنچے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر کو تاجروں اور صنعت گروں کا خیال رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثم استوص بالتجار و ذوی الصناعات و اوص بهم خیرا۔۔۔ فإنّهم سلم لا تخاف بائقته وصلح لا تخشی غائلته و تفقد امورهم بحضرتك وفی حواشی بلادك۔'' (14)

یعنی: '' پھر تمہیں تاجروں اور صنعت گروں کے خیال رکھنے کی اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ہدایت کی جاتی ہے اور تمہیں دوسروں کو ان کے متعلق ہدایت کرنا ہے: خواہ وہ ایک جگہ رہ کر بیوپار کرنے والے ہوں، یا پھیری لگا کر بیچنے والے ہوں یا جسمانی مشقت سے کمانے والے ہوں، کیونکہ یہی لوگ منافع کا سرچشمہ اور ضروریات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان ضروریات کو خشکی، تری، میدانی علاقوں اور پہاڑوں ایسے دور افتادہ مقامات سے درآمد کرتے ہیں اور ایسی جگہوں سے جہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے اور نہ وہاں جانے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ امن پسند اور صلح جو ہوتے ہیں، ان سے کسی شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ تمہارے سامنے ہوں یا جہاں جہاں دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے ہوں تم ان کی خبر گیری کرتے رہنا۔''

۳۔ ذخیرہ اندوزی کی روک تھام

ذخیرہ اندوزی ملک اور ملت کے لیے انتہائی نقصان دہ چیز ہے۔ اگر کوئی تاجر ذخیرہ اندوزی کرے، تو حکومت ایسے تاجروں کے خلاف ایسے اقدام کرے کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائیں۔ کیونکہ ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجر تنگ نظر اور کنجوس ہوتے ہیں، لہٰذا حکومت ان تنگ نظر اور کنجوس تاجروں کو

ذخیرہ اندوزی سے سختی کے ساتھ روکے۔ اگر منع کرنے کے باوجود بھی ذخیرہ اندوزی کرے تو اس کو سزا دی جائے۔ حضرت علی علیہ السلام ایسے تاجروں اور صنعت گروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"واعلم مع ذالک انّ فی کثیرٍ منهم ضیقا فاحشا و شحًا قبیحًا ۔۔۔ بعد نہیک ایّاہ فنکّل بہ، وعاقبہٗ فی غیرِ اسرافٍ۔ (15)

یعنی: " اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو انتہائی تنگ نظر اور بڑے کنجوس ہوتے ہیں۔ جو زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔ اونچے نرخ معین کر لیتے ہیں۔ یہ چیز عوام کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور حکمرانوں کی بدنامی کا باعث بنتی ہے۔ للذا ذخیرہ اندوزی سے منع کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور خرید و فروخت صحیح ترازو اور مناسب نرخوں کے ساتھ بسہولت ہونا چاہیے، کہ نہ بیچنے والے کو نقصان ہو اور نہ خریدنے والے کو خسارہ ہو، اگر منع کرنے کے بعد بھی کوئی ذخیرہ اندوزی کے جرم کا مرتکب تو اسے مناسب حد تک سزا دینا"

۴۔ عوام کے طبقات

اس دنیا میں رہنے والے لوگوں کے کئی طبقات ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے کیونکہ انسان معاش کے حصول کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری اور مقام و منصب ہوتا ہے۔ یہاں پر ان تمام طبقات کا تذکرکیا جارہا ہے۔ نیز ان میں سے ہر ایک طبقے کی اہمیت اور ذمہ داری کو بھی بیان کیا جا رہا ہے۔ بالخصوص حکومت کی ان طبقات کے متعلق ذمہ داریوں کو واضح کیا جارہا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں عوام کے آٹھ طبقات اور ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"واعلم انّ الرّعیّة طبقات لایصلح بعضها الّا ببعضٍ ۔۔۔ ومنها الطّبقة السفلیٰ من ذوی الحاجة و المسکنةِ۔" (16)

یعنی: ” تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رعیت کے کئی طبقات ہوتے ہیں۔ان میں سے ہر طبقے کی فلاح اور بہبود ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کام آنے والے فوجیوں کا ہے۔ دوسرا طبقہ عمومی اور خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے۔ تیسرا طبقہ عدل کرنے والے قاضیوں کا ہے۔ چوتھا طبقہ حکومت کے وہ اعمال ہیں جن سے انصاف اور امن قائم ہوتا ہے۔ پانچواں طبقہ جزیہ اور خراج دینے والوں کا ہے، وہ جزیہ دینے والے ذمی اقلیتی ہوں یا خراج دینے والے مسلمان ہوں، چھٹا اور ساتواں طبقہ تاجروں اور صنعت گروں کا ہے۔ آٹھواں طبقہ سب سے کمزور ترین طبقہ ہے وہ فقیروں، محتاجوں، مسکینوں اور ناداروں وغیرہ کا ہے۔“

ان تمام طبقات کا بیت المال میں حصہ معیّن ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا اس کے متعلق ارشاد ہے:

”و کلًّا قد سمّی اللہُ سھمہٗ لہٗ و وضع علی حدّہٖ فریضتہٗ فی کتابہٖ او سنّۃِ نبیّہٖ صلّی اللہ علیہ و اٰلہٖ و سلّم عھدا منہ عندنا محفوظا۔“ (17)

یعنی: ” اور اللہ تعالی نے ہر ایک کا حق معین کر دیا ہے اور اپنی کتاب یا اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں اس کی حد بندی کر دی ہے اور وہ دستور ہمارے پاس محفوظ ہے۔“

۵۔ بیت المال کے فائدے

حضرت علی علیہ السلام خراج اور ٹیکس ادا کرنے والوں کی اصلاح کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”فاِنّ فی صلاحہ و صلاحھم۔۔۔ النّاس کلّھم عیالٌ علی الخراج و اھلہٖ۔“

یعنی: ” یقینا خراج اور خراج دینے والوں کی اصلاح کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کیے جا سکتے ہیں اور ان کے بغیر اصلاح ممکن نہیں کیونکہ سب انسانوں کا دارومدار خراج اور خراج دینے والوں پر ہی ہے۔“ (18)

جب بیت المال میں جمع ہونے والے اموال کے ذرائع کو مضبوط کیا جائے گا اور ان کی اصلاح کی جائے گی تو وہ زیادہ سے زیادہ ٹیکس ادا کریں گے، جب ٹیکس اور خراج زیادہ جمع ہو گا، تو بیت المال خزانے سے بھر جائے گا، ملک خوشحال ہو جائے گا اور عوام کی فلاح و بہبود ہو گی۔ جس کے نتیجے میں ملک میں امن اور امان

قائم ہو جائے گا، فتنہ اور فساد کی جڑیں ختم ہو جائیں گی، کیونکہ تمام جھگڑے زیادہ تر مالی عدم استحکام اور ناانصافی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت پر فرض ہے کہ وہ بیت المال کو عوام میں صحیح تقسیم کرے۔ جب بیت المال عوام میں صحیح طور پر استعمال کیا جائے گا، تو عوام حکومت کے دوام کی دعائیں مانگے گے اور حکومت کی حمایت کریں گے۔ اگر حکومت اقتصادی اصلاح کی بجائے عوام پر ٹیکسوں کا زیادہ بوجھ ڈالے گی، تو عوام کنگال اور حکومت کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے گی۔ اسی مطلب کی طرف حضرت علی علیہ السلام اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن طلب الخراج بغیر عمارۃ۔۔ ولم یستقم امرہ الّا قلیلًا۔" (19)

یعنی: "جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے، وہ ملک کی بربادی اور بندگانِ خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے، اس کی حکومت تھوڑے دنوں سے زیادہ نہیں رہ سکتی۔"

اس جملے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خراج اس وقت طلب کیا جائے، جب زمین کی آبادکاری صحیح اور بہتر ہو۔ کیونکہ اس سے ملک اور ملت کی اصلاح ہوتی ہے اور ملک ترقی کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں حکومت زیادہ دیر تک چل سکتی ہے اور اگر بغیر زمین کی آبادکاری اور دیگر ذرائع آمدن کی اصلاح کے خراج اور ٹیکس وصول کیا جائے گا، تو حکومت جلد ہی تباہ و برباد ہو کر ختم ہو جائے گی۔

اسی بیت المال ہی کے ذریعے ملک کو محفوظ کیا جائے گا، ملکی دفاع مضبوط ہو گا اور فوج کو تقویت ملے گی: "لا قوام للجنود الّا بما یخرج اللہ لھم من الخراج الذی یقوون بہ علی جھاد عدوّھم ویعتمدون علیہ فیما یصلحھم ویکون من وراء حاجتھم" یعنی: "افواج کی زندگی کا سہارا وہ خراج ہے، جو اللہ نے اس کے لیے معین کیا ہے، جس سے وہ دشمنوں سے جہاد کرنے میں تقویت حاصل کرتے ہیں اور اپنی حالت کو درست کرتے ہیں اور ضروریات کو بہم پہنچاتے ہیں۔" (20)

۶۔بیت المال کی جمع آوری

(i) عاملین زکوٰۃ کو ہدایات

حضرت علی علیہ السلام جب بھی کسی کو اپنی طرف سے زکوۃ جمع کرنے کے لیے بھیجتے تو اسے درج ذیل ہدایات دیتے تھے:

"امرہٗ بتقوی اللہ فی سرائرِ امرہٖ و خَفِیَّاتِ عملہٖ۔۔۔ فانھم الاخوان فی الدین والاعوان علی استخراج الحقوق۔" (21)

یعنی: "میں انہیں حکم دیتا ہوں کہ اپنے پوشیدہ امور اور مخفی اعمال میں بھی اللہ سے ڈرتے رہیں جہاں اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ اور نگراں نہیں ہوتا ہے۔ اور خبردار ایسا نہ ہو کہ ظاہری معاملات میں خدا کی اطاعت کریں اور مخفی مسائل میں اس کی مخالفت کریں۔ اس لیے کہ جس کے ظاہر و باطن اور فعل و قول میں اختلاف نہیں ہوتا ہے وہی امانت الٰہی کا ادا کرنے والا اور عبادتِ الٰہی میں مخلص ہوتا ہے۔"

(ii) ٹیکس اور خراج وصول کرنے میں عوام کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے

امیر المؤمنین علیہ السلام عاملینِ زکوۃ کو عدل اور انصاف کا حکم دیتے ہیں:

" ولا تحشموا احداً عن حاجته ولا تحبسوه عن طلبته ۔۔۔ و لاتذّخروا انفسکم نصیحةً و لا الجند حسن سیرةٍ و لاالرعیّةَ معونة۔" (22)

یعنی: "کسی سے اس کی ضرورت کو قطع نہ کرو اور نہ ہی اس کے مقصد میں روڑے اٹکاؤ۔ لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لیے ان سے گرمی و سردی کے کپڑوں اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہوں اور غلاموں کو فروخت نہ کرو۔ کسی کو پیسوں کی خاطر کوڑے نہ لگاؤ اور کسی مسلمان یا ذمی کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ، مگر یہ کہ اس کے پاس گھوڑا یا ہتھیار ہو کہ جو اہل اسلام کے خلاف استعمال ہونے والا ہو۔ اس لیے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ کسی مسلمان کہ لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں رہنے دے کہ جو مسلمانوں پر غلبہ کا سبب بن جائے۔ آپس میں ہمیشہ خیر خواہی کرتے رہو، فوج سے نیک برتاؤ جاری رکھو اور عوام کی مدد کرتے رہو۔"

حضرت علی علیہ السلام ایک عامل زکوۃ کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انطلق علی تقویٰ اللہ وحدہٗ۔۔۔ لاتاخذنّ منہ اکثر من حقّ اللہِ۔" (23)

یعنی: "اللہ وحدہ لا شریک کا خوف دل میں لیے ہوئے نکل کھڑے ہو۔ کسی مسلمان کو خوفزدہ نہ کرنا، کسی پر اس طرح وارد نہ ہونا کہ اسے ناگوار گذرے۔ جتنا اس کے مال میں سے اللہ کا حق ہو اس سے زیادہ نہ لینا۔"

آپؑ عاملین زکوۃ کو اخلاقیات کا خاص خیال رکھنے کا حکم دیتے ہیں:

"فاِذا قدمت علی الحیّ فانزلْ بمائھم۔۔۔ لآخذ منکم حقّ اللہِ فی اموالکم۔" (24)

یعنی: "پس جب کسی قبیلے کی طرف جانا تو لوگوں کے گھروں میں گھسنے کے بجائے پہلے ان کے کنوؤں پر جا کر اترنا، پھر سکون اور وقار کے ساتھ ان کی طرف بڑھنا، یہاں تک کہ جب ان میں جا کر کھڑے ہو جاؤ تو ان پر سلام کرنا اور آداب اور تسلیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ ان سے کہنا اے اللہ کے بندو! مجھے اللہ کے ولی اور اس کے خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اگر تمہارے پاس مال میں سے اللہ کا کوئی حق نکلتا ہے تو اسے وصول کر لوں۔"

نیز آپ علیہ السلام اپنے نصائح میں نصیحت فرماتے ہیں کہ مالک کے اس اظہار کو کہ اس کے مال میں زکوۃ ہے یا نہیں ہے قبول کیا جائے:

"ھَلِ للہِ فی اموالکم فی حقٍّ فتؤدّوہ۔۔۔ ولا تفزعنّھا ولا تسوئنّ صاحبھا فیھا۔" (25)

یعنی: "کیا تمہارے مال میں اللہ کا کوئی واجب الادا حق ہے کہ جسے اللہ کے ولی تک پہنچاؤں؟ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ نہیں تو پھر اس سے دہرا کہ نہ پوچھنا اور اگر کوئی کہنے والا ہاں کہے، تو اسے ڈرائے دھمکائے یا اس پر سختی و تشدد کئے بغیر اس کے ساتھ ہو لینا۔ اگر اس کے پاس گائے، بکری یا اونٹ ہوں تو ان کے غول میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہونا، کیونکہ اس میں زیادہ حصہ تو اسی کا ہے۔ جب مالک داخل ہونے کی اجازت دے دے تو اس طرح داخل نہ ہونا کہ تمہیں اس پر پورا قابو حاصل ہے اور نہ اسی طرح کہ تمہیں اس پر تشدد کرنے کا حق حاصل ہے، کسی جانور کو نہ بھڑکانا، نہ ڈرانا اور نہ اس کے بارے میں اپنے غلط رویّہ سے مالک کو رنجیدہ کرنا۔"

(iii) مال کو مالک کی مرضی کے مطابق تقسیم کیا جائے

اس حوالے سے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"واصدع المال صدعین ثمّ خیّرہ فاِذا اختارَ۔۔۔ ثمّ اصنع مثل الذی صنعت اوّلا حتّی تاخذ حقّ اللہ فی مالہٖ۔" (26)

یعنی: "مال کے دو حصہ کر دینا اور مالک کو اختیار دینا، جب وہ کوئی حصہ اختیار کرے، تو اس کے انتخاب سے تعرّض نہ کرنا۔ پھر بقیہ حصہ کے دو حصہ کر دینا اور اسے اختیار دینا، اور جب وہ کوئی حصہ انتخاب کر لے، تو اس سے تعرض نہ کرنا۔ اس طرح کرتے رہنا یہاں تک اختیار دینا، اور جب وہ کوئی حصہ انتخاب کر لے تو اس سے تعرض نہ کرنا۔ اس طرح کرتے رہنا یہاں تک کہ بس اتنا رہ جائے کہ جتنے سے اس مال میں جو اللہ کا حق ہے، وہ پورا ہو جائے، تو بس اسے اپنے قبضے میں لے لینا۔ اگر وہ دوبارہ تقسیمِ مال کا مطالبہ کرے، تو اس کے مطالبے کو قبول کرنا، پھر سارے مال کو آپس میں خلط ملط کر دینا، پھر اسی طرح تقسیم کرنا، جس طرح پہلے تم نے تقسیم کیا تھا، یہاں تک کہ اس کے مال سے اللہ کا حق لے لو۔"

۷۔ بیت المال کی تقسیم

(i) تقسیم کا طریقہ کار

حضرت امیر المؤمنین علی ابن طالب علیہ السلام نے جب ظاہری خلافت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالا، تو بیت المال کی تقسیم میں پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق جس شہر میں جو مال جمع ہوتا اسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔ اگر وہاں سے کچھ بچ کر آپؑ کے پاس آتا، تو بیت مال میں سمیٹ رکھنے کے بجائے اسے مستحقین میں تقسیم کر کے بیت المال خالی کر دیتے تھے: "ما کان یدع فی بیت المال مالا یبیت فیہ حتی یقسمہ الا ان یشغلہ شغل فیصبح الیہ" یعنی: "آپؑ نے یہ نوبت نہیں آنے دی کہ رات گزاریں اور مال بیت المال میں پڑا رہے بلکہ رات سے پہلے اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی مانع ہوتا تو صبح ہونے دیتے۔ (27)

بیت المال کی تقسیم کی تفصیل قرآن مجید اور حدیث نبوی (ص) میں موجود ہے اور اسی کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام بیت المال کی تقسیم کے بارے میں ایک عامل زکوۃ کو یوں لکھتے ہیں:

"و انّ لك فی هٰذه الصدقة نصیباً مفروضاً ۔۔۔ والمساکین والسّائلون و لمرفوعونوالغارم وابن السبیل۔" (28)

یعنی: "بے شک اس زکوۃ میں تمہارا بھی معین حصہ اور جانا پہچانا حق ہے۔ اور اس میں بیچارے مسکین اور فاقہ کش لوگ بھی تمہارے شریک ہیں، اور ہم تمہارا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں، تو تم بھی ان کا حق پورا پورا ادا کرو، اگر تو نے حق ادا نہ کیا تو یاد رکھو کہ روزِ قیامت تمہارے ہی دشمن سب سے زیادہ ہوں گے۔ وائے بد بختی اس شخص کی جس کے خلاف اللہ کے حضور فریق بن کر کھڑے ہونے والے فقیر، نادار، سائل، دھتکارے ہوئے لوگ، قرضدار اور مسافر ہوں۔"

اسی طرح مصارف زکوۃ قرآن کریم میں بھی بیان ہوئے ہیں:

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيم " **(29)**

یعنی: " بیشک زکوۃ فقراء، مساکین، زکوۃ جمع کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام آزاد کرنے کے لیے، قرضدار اور مسافر کے لیے ہے۔ اور یہ ایک اہم خدائی فریضہ ہے اور اللہ دانا و حکیم ہے۔"

امامؑ، بیت المال اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیتے ہیں:

"ثمّ احدر الینا ما جتمع عندك نصیّرهٗ حیث امر الله به۔۔۔ لنقسمه علی کتاب الله وسنّةِ نبیّهٖ صلّی الله علیه وآله وسلّم۔" (30)

یعنی: " پھر جو کچھ تمہارے پاس جمع ہوا ہے اسے جلد سے جلد ہماری طرف بھیجتے رہنا تاکہ ہم جہاں جہاں اللہ کا حکم ہے وہاں صرف کریں تاکہ ہم اس مال کو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت کے مطابق تقسیم کریں۔"

یہاں سے یہ امر واضح ہوتا ہے، کہ بیت المال کی تقسیم میں اللہ تعالی اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور حضرت علی علیہ السلام ان کی پابندی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور سختی سے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

(ii) بیت المال میں سب برابر کے شریک ہیں

حکومتی خزانے بیت المال میں جمع ہونے والے مال میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں کیونکہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، لہٰذا ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"انّ ھٰذا المال لیس لی ولا لك ۔۔۔ لاتکون لغیرا فواھھم۔" (31)

یعنی: "یہ مال نہ میرا ہے نہ تمہارا بلکہ مسلمانوں کا حقِ مشترک ہے اور ان کی تلواروں کا جمع کیا ہوا سرمایہ ہے۔ اگر تم ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے ہوتے تو تمہارا حصہ بھی ان کے برابر ہوتا ورنہ ان کے ہاتھوں کی کمائی دوسروں کے منہ کا نوالہ بننے کے لیے نہیں ہے۔"

یہ ہے ہادی برحق امام المتقین علی علیہ السلام کی روش، کہ کتنا ہی قریبی دوست اور حمایتی ہی کیوں نہ ہو، اس کو بیت المال میں سے، جس میں تمام مسلمانوں بلکہ انسانوں کا حق مشترک ہے، کچھ دینے کے بجائے عدل کو قائم رکھتے ہوئے اس مال کو تمام لوگوں میں برابر تقسیم کرتے ہیں۔

(iii) تقسیم بیت المال میں مساوات اور عدل

امیر المؤمنین علیہ السلام نے بیت المال کی تقسیم میں اعلیٰ اور ادنی، قرشی اور غیر قرشی، آزاد اور غلام سب کا حق مساوی سمجھتے تھے۔ اور رنگ و نسل اور قومیت و وطنیت کی بنا پر امتیاز گوارا نہ کرتے تھے اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں سب امتیازات ختم کر دوں گا۔ آپ (ع) کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اعلان سنا، تو آپؑ سے کہا کہ آپؑ مجھے اور مدینہ کے ایک حبشی غلام کو ایک سطح پر رکھیں گے، تو حضرتؑ نے انہیں فرمایا:

"اجلس رحمك اللہ و ما فضلك علیہ الا بسابقۃ او تقوی۔" (32)

یعنی :" بیٹھئے خدا تم پر رحم کرے اگر تم کو اس پر فضیلت ہو سکتی ہے، تو سبقت اور تقویٰ کی بنا پر (نہ کہ بیت المال کی تقسیم میں)۔

ایک مرتبہ دو عورتیں حضرت امیر علیہ السلام کے پاس بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے آئیں تو حضرتؑ نے ان دونوں کو برابر برابر دے دیا۔ اس پر ایک نے کہا میں عربیہ اور آزاد ہوں اور یہ غیر عربیہ اور کنیز ہے، آپؑ نے ہم دونوں کو ایک ہی درجہ پر سمجھ لیا، حالانکہ میں مرتبہ کے اعتبار سے بلند تر ہوں۔ حضرت نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس پر نظر کرنے بعد فرمایا:

"ما اعلم ان اللہ فضل احدا من الناس علی احد الا بالطاعۃ والتقوی۔"

یعنی: " میرے علم میں نہیں کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہو مگر اسے جو طاعت و تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو۔"

یہاں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ ان میں بحثیت انسان کوئی فرق نہیں ہے، چاہے امیر ہو یا غریب، عرب ہو یا عجم، آقا ہو یا غلام۔ آپ (ع) نے اپنے بھائی کو اور ایک حبشی غلام کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ ایک مرتبہ آپ (ع) کے صحابی سہل ابن حنیف اپنے حبشی غلام کو لے کر آپؑ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یہ بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے آیا ہے، آپ اسے کیا دیں گے۔ فرمایا کہ تمہیں کیا ملا ہے؟ کہا کہ سب کو تین تین دینار ملے ہیں۔ فرمایا کہ اسے بھی تین دینار دیئے جائیں گے۔

ایک مرتبہ آپ (ع) کی ہمشیرہ اُم ہانی بنت ابی طالب علیہ السلام آپؑ کے ہاں بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے آئیں، تو آپؑ نے انہیں بیت المال میں سے بیس درہم دیئے۔ انہوں نے واپس پلٹ کر اپنی ایک عجمیہ کنیز سے دریافت کیا، کہ تمہیں امیر المؤمنین علیہ السلام نے کیا دیا ہے۔ اس نے کہا بیس درہم۔ یہ سن کر جناب ام ہانی حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ نے جو کنیز کو دیا ہے وہی مجھے دیا ہے حالانکہ میرا حق فائق ہے۔ حضرت نے فرمایا:

"انی واللہ لا اجد لبنی اسمٰعیل فی ھٰذا الفئ فضلا علی بنی اسحٰق۔"

یعنی: " خدا کی قسم میں نے کہیں نہیں پایا کہ اس مال میں بنی اسماعیل کو بنی اسحاق پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔"

امیر المؤمنین کی بلند نفسی اس کی قطعاً روادار نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ قرابت و عزیز داری کی بناء پر تقسیم بیت المال کے بارے میں اپنے نظریئے میں تبدیلی پیدا کریں اور جانبداری سے کام لے کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے امتیازی برتاؤ روا رکھیں، خواہ بہن ہو یا بھائی بیٹا ہو یا بیٹی۔ آپؑ نے تقسیم بیت المال میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ نہ بیت المال میں مال جمع کر رکھا اور نہ تقسیم میں رنگ و نسل کا امتیاز کیا، بلکہ عدل و مساوات کے جو پیمانے وضع کئے اور حق و انصاف کے جو معیاری نمونے پیش کئے دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ (ع) نے بیت المال کی تقسیم میں اتنی برابری اختیار کی ہوئی ہے کہ ہمیں بھی عوام کے عام افراد کے برابر کر دیا ہے تو آپ (ع) نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

"الا تخبرانی ایُّ شیءٍ لکما فیه۔۔۔ وامضیٰ فیه حکمه۔" (33)

یعنی: " یہ تو بتاؤ کہ تمہارا کون سا حق تھا جو تمہیں نہیں دیا؟ اور کون سا حصہ تھا جس میں تم پر دوسروں کو ترجیح دی ہو۔۔ رہا یہ کہ میں نے تقسیم میں مساوات برتی ہے، تو یہ وہ کام ہے جس میں، میں نے اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کیا ہے، نہ اپنی خواہش سے اسے جاری کیا ہے۔ بلکہ یہ وہی طے شدہ چیز ہے، جسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے جو میرے اور تمہارے سامنے ہے، تو جس چیز کی اللہ نے حد بندی کر دی ہے اور اس کا قطعی حکم دے دیا ہے، اس میں مجھے تم سے رائے لینے کی کو ضرورت نہیں۔"

حضرت علی علیہ السلام مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی کو تنبیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"الا و انّ مَن قِبَلك و قبلنا من المسلمین، فی قسمة هٰذا الفیء سواءٌ یردون عندی علیه۔" (34)

یعنی: " دیکھو! وہ مسلمان جو میرے اور تمہارے پاس ہیں، اس مال کی تقسیم میں برابر کے حصّہ دار ہیں، اسی اصول پر وہ اس مال کو لینے کے لیے میرے پاس آتے ہیں اور لے کر چلے جاتے ہیں۔"

(iv) بیت المال میں غریبوں ناداروں اور مسکینوں کا حق ہے

حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر مالک اشتر کو بے سہارا، مساکین اور فقراء کے حقوق کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں:

"اللہ اللہ فی الطبقہ السفلیٰ من الذین لا حیلۃ لھم ۔۔۔ و تفقّد امور من لایصل الیك منھم ممّن تفتحمہ العیون و تحقرہ الرّجال۔" (35)

یعنی: " خصوصیت کے ساتھ اللہ کا خوف کرنا، پس ماندہ طبقہ کے بارے میں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، وہ مسکینوں، محتاجوں، فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے۔ ان میں کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت ہی سوال ہوتی ہے۔ اور اللہ کی خاطر ان بے کسوں کے بارے میں ان کے اس حق کی حفاظت کرنا، جس کا اللہ نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے۔ ان کے لیے ایک حصہ بیت المال سے معین کر دینا اور ایک حصہ شہر کے اس غلہ میں سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ اس میں دور والوں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے۔ اور تم ان سب کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔ لہٰذا تمہیں دولت کی سرمستی کہیں غافل نہ کر دے۔ پس کسی معمولی بات کو اس لیے نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ تم نے بہت سے اہم کاموں کو پورا کر دیا ہے۔ لہٰذا اپنی توجہ ان سے نہ ہٹانا۔ نہ تکبر کے ساتھ ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر لینا اور نہ ہی اپنی توجہ ان سے ہٹانا۔ خصوصیت کے ساتھ خبر رکھو ایسے افراد کی جو تم تک پہنچ نہ سکتے ہوں، جنہیں آنکھیں دیکھنے سے کراہت کرتی ہونگی اور لوگ انہیں حقارت سے ٹھکراتے ہوں گے۔"

(۷) بیت المال میں یتیموں اور بوڑھوں کے حقوق

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام میں سے جو یتیم ہیں یا یتیموں کی پرورش کرنے والے ہیں اور جو بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں ان کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر کو ایسے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں:

" و تعھّدْ اھل الیُتمِ و ذوی الرِّقّۃِ ۔۔۔ وَثِقوا بصدق موعودِ اللہِ لھمْ۔ (36)

یعنی: " یتیموں اور یتیموں کے پالنے والوں کا بھی خیال رکھنا ہوگا، اور ان کا بھی جو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، جن کا کوئی سہارا نہیں، جو بھیک مانگنے کے بھی لائق نہیں رہے۔ اور یہی وہ کام ہے جو حکام پر گراں

گذرتا ہے، جبکہ حق سارے کا سارا بھاری ہوتا ہے۔ ہاں خدا ان لوگوں کے لیے جو آخرت کے طلبگار ہوتے ہیں، ان کی گرانیوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔ وہ اسے اپنی ذات پر جھیل لے جاتے ہیں اور اللہ نے جو، ان سے وعدہ کیا ہے اس کی سچائی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(vi) تقسیم بیت المال میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھی عدل سے پیش آنا

امام علی علیہ السلام اپنے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو آپؑ کے پاس آئے اور بیت المال سے زیادہ حصہ کا مطالبہ کیا، تو آپؑ نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"واللہِ لقد رأیتُ عقیلا و قد املق ۔۔۔ فاَصغیتُ الیه سمعی فظنّ انّی ابیعه دینی و اتّبع قیادہ مفارقاً طریقی۔" (37)

یعنی: " اللہ کی قسم میں نے عقیل کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا، یہاں تک کہ وہ تمہارے حصہ کے گیہوں میں سے ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے۔ میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا، میں نے ان کی باتوں کو کان لگا کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھوں اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔

جب حضرت عقیل رضی اللہ تعالی عنہ کا اصرار بڑھا تو آپ (ع) نے انہیں عبرت اور نصیحت سکھانے کے طریقہ کی وضاحت یوں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فاحمیتُ له حدیدۃً ثمّ اذنیتها ۔۔۔ من الاذی و لا ائنُّ من لظی۔" (38)

یعنی: " مگر میں نے کیا یہ کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ عبرت حاصل کرے، چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد اور کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا جسم اس داغ دینے سے جل جائے۔ پھر میں نے ان سے کہا اے عقیل رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو، جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں تپایا ہے اور تم مجھے

اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے تم تو اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں۔"

امام علی علیہ السلام اپنے ایک عامل کو، کہ جو آپؑ کے رشتہ داروں میں سے تھا، اس نے بیت المال میں خیانت کی تھی، سرزنش کرتے ہوئے اسے لکھتے ہیں:

" فاتق و اردد الی هؤلاء القوم اموالهم۔۔۔ حتّی آخذ الحقّ منها و ازیح الباطل عن مظلمتها۔"(39)

یعنی: " خدا سے ڈرو اور ان لوگوں کے اموال واپس کر دو۔ اگر ایسا نہ کروگے اور خدا نے کبھی مجھے تم پر اختیار دے دیا، تو تمہارے بارے میں وہ فیصلہ کروں گا، جو مجھے معذور بنا سکے تمہارا خاتمہ اسی تلوار سے کروں گا، جس کے مارے ہوئے کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اگر حسن اور حسین (علیہما السلام) بھی وہ کرتے، جو آپ نے کیا ہے، تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ مجھ سے کوئی اپنی خواہش منوا سکتے، یہاں تک کہ میں ان سے حق کو واپس لے لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے غلط نتائج کو مٹا دیتا۔"

آپؑ اپنے ایک رشتہ دار گورنر سے لوٹے ہوئے بیت المال کو واپس کرنے کا حکم دیتے ہیں:

" و اقسم بالله ربّ العٰلمین ما یسرّنی۔۔۔ ینادِی الظالمُ فیه بالحسرة و یتمنّی المضیّع الرّجعة و لات حین مناصٍ۔" (40)

یعنی: " میں رب العالمین کی قسم کھاتا ہوں، کہ یہ میرے لیے خوش ہونے والی بات نہ تھی، کہ وہ مال جو تم نے ہتھیا لیا ہے، میرے لیے حلال ہوتا، اور میں اسے بعد والوں کے لیے بطور ترکہ چھوڑ جاتا۔ ذرا سنبھلو اور سمجھو کہ تم عمر کی آخری حد تک پہنچ چکے ہو اور مٹی کے نیچے سونپ دیئے گئے ہو، اور تمہارے تمام اعمال تمہارے سامنے پیش ہیں۔ اس مقام پر ظالم جہاں واحسرتا کی صدا بلند کرتا ہوگا، اور عمر کو برباد کرنے والے دنیا کی طرف پلٹنے کی آرزو کر رہے ہوں گے، حالانکہ اب گریز کا کوئی موقع نہ ہوگا۔"

یہ ہے امیر المؤمنین امام المتقینؑ کا طرز عمل کے اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے ہیں، جو دوسروں سے کرتے ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور فوقیت نہیں دیتے۔ دشمن اور دوست، قریبی اور دور کے سب یکساں ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

۸۔ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے گورنروں کو عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم

امام علی علیہ السلام اپنے خطبوں، خطوط اور اقوال میں اپنے تمام گورنروں کو عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ جب زیاد ابن ابیہ کو عبداللہ ابن عباس کی قائم مقامی میں فارس اور اس کے ملحقہ علاقوں کا گورنر مقرر کیا تو اسے یہ ارشاد فرمایا: " استَعمِلِ العدلَ واحْذَرِ العسفَ والحَيفَ؛ فإنَّ العسفَ يعدُ بالجلاءِ والحيفَ يدعو الى السّيف" یعنی: " عدل کی روش پر چلو بے راہ روی اور ظلم سے کنارہ کشی کرو، کیونکہ بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں گھر بار چھوڑنا پڑے گا اور ظلم انہیں تلوار اٹھانے پر مجبور کرے گا۔" (41) ایک اور مقام پر اپنے گورنر مالک اشتر کو عدل و انصاف قائم رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"انصف الله وانصف النّاس من نفسك۔۔۔ حتّٰى ينزع او يتوب۔" (42)

یعنی: " اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور انسانوں سے متعلق انصاف کرتے رہنا۔ پس اگر تم نے انصاف نہ کیا تو ظالم ٹھہروگے، اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے، تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ جس کا اللہ دشمن ہو، وہ اس کی ہر دلیل کو کچل دیتا ہے اور اللہ اس سے برسرپیکار رہے گا، یہاں تک کہ وہ بندہ ظلم سے باز آجائے اور توبہ کرلے۔"

۹۔ سماجی عدل

عدل اور انصاف کا ایک حصّہ اقتصادی انصاف اور مالی امور کے توازن کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دولت کے منابع اور مخازن اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کے لیے یکساں ہیں۔ جس کی وضاحت حضرت علی علیہ السلام یوں کرتے ہیں: " انتم عباد الله والمال مال الله يقسّم بينكم بالسويّةِ لا

فضل فیہ لاحد علی احد" یعنی: "تم اللہ کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا مال ہے جو تم میں برابر تقسیم کیا جائے گا اس میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔" (43)

اسلامی حکومت اسے جمع کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور تقسیم کرنے کی ذمہ دار ہے اس بنا پر حکومت عموماً اقتصادی مسائل میں چاہے وہ بیت المال سے متعلق ہوں یا عمومی اموال سے، منابع و معادن ہوں یا انفال و ٹیکس وغیرہ ہوں ایسی ذمہ داری رکھتی ہے، جو حکمرانی کی سیاست سے نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں اشارے موجود ہیں۔ ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انہیں قید سے آزادی کی خوش خبری دی گئی اور بادشاہ مصر نے آپ (ع) کو کوئی عہدہ دینا چاہا تو آپ (ع) نے جواب میں فرمایا: "اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" یعنی: "زمین کے خزانوں کی ذمہ داری مجھے سونپ دے کہ میں امانت داری کے تحت نیز آمدنیوں کے مصارف اور منابع کے علم کی روشنی میں یہ فریضہ بخوبی ادا کرونگا۔" (44)

۱۰۔ مالیات دینے والوں کی مشکلات اور ٹیکس اور خراج میں کمی

مالیات دینے والے اگر کسی مشکل کی وجہ سے ٹیکس اور خراج کی گرانباری کی شکایت کریں، تو خراج کے وصول میں کمی کی جائے، نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"فان شکوا ثقلا او علّۃً او انقطاع شربٍ۔۔۔ افضل قوّتھم بما ذخرت عندھم من اجمامك لھم۔" (45)

یعنی: "اگر عوام خراج کی گرانباری، یا کسی ناگہانی آفت کی، یا نہری اور بارانی علاقوں میں ذرائع آب پاشی کے ختم ہونے، یا زمین کے سیلاب میں گھر جانے، یا سیرابی کے نہ ہونے کے باعث، اس کے تباہ ہونے کی شکایت کریں، تو خراج میں اتنی کمی کر دو جس سے تمہیں ان کے حالات کے سدھرنے کی توقع ہو۔ اور ان کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے سے تمہیں گرانی محسوس نہ ہو، کیونکہ انہیں زیر باری سے بچانا ایک ایسا ذخیرہ ہے، کہ جو تمہارے ملک کی آبادی اور تمہارے قلمرو حکومت کی زیب و زینت کی صورت میں تمہیں پلٹا دیں گے۔ اور اس کے ساتھ تم ان سے خراجِ تحسین اور عدل قائم کرنے کی وجہ سے مسرّت بے

پایاں بھی حاصل کر سکوگے، اپنے اس حسنِ سلوک کی وجہ سے کہ جسے تم نے ذخیرہ کرکے ان کے پاس رکھ دیا ہے۔"

حکومت کے اس رحمدلی اور شفقت آمیز رویہ کی وجہ سے جب بھی اسے مشکل پیش آئے گی، تو اس وقت عوام بھی حکومت کی دل کھول کر مدد کرے گی:

"والثقة منهم بما عوّدتهم من عدلك۔۔۔ سؤ ظنّهم بالبقاء و قلّة انتفاعهم بالعبرِ۔" (46)

یعنی: " اور تم ان کی قوت کے بل بوتے پر بھروسہ کر سکوگے اور رحم کے جلو میں، جس سیرتِ عادلانہ کا تم نے انہیں خوگر بنایا ہے اس کے سبب سے، تمہیں ان پر اعتماد ہو سکے گا، اس کے بعد ممکن ہے کہ ایسے حالات بھی پیش آئیں کہ جن میں تمہیں ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہو تو وہ انہیں بطیّب خاطر جھیل لے جائیں گے۔ کیونکہ ملک آباد ہے تو جیسا بوجھ اس پر لادوگے، وہ اٹھالے گا۔ اور زمین کی تباہی تو اس سے آتی ہے کہ کاشتکاروں کے ہاتھ تنگ ہو جائیں۔ اور ان کی تنگ دستی اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ حکام مال اور دولت کے سمیٹنے پر تل جاتے ہیں اور انہیں اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور عبرتوں سے بہت کم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

۱۱۔ حضرت علی علیہ السلام کا عاملین زکوۃ اور گورنروں سے حساب لینا

حضرت علی علیہ السلام اپنے کچھ عاملین زکوۃ کو خطاب کرتے ہیں:

" امّا بعدُ فقد بلغنی عنك امرٌ۔۔۔ فارفع الیّ حسابك واعلمْ انّ حساب الله اعظم من حساب النّاس۔" (47)

یعنی: " مجھے تمہارے متعلق ایک ایسے امر کی اطلاع ملی ہے کہ اگر تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا، اور امام کی نافرمانی کی اور اپنی امانتداری کو بھی رسوا کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے زمین کو صفاچٹ کر میدان کر دیا ہے، اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں تھا اسے نوش جان کر لیا ہے تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو اور یقین رکھو کہ انسانوں کے حساب سے اللہ کا حساب کہیں زیادہ سخت ہوگا۔"

حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر اشعث ابن قیس کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و ان عملك ليس لك بطعمة ـ ـ ـ حتّى تَسَلّمهٗ الىّ ولعلى الّا اكون شرّ ولاتك لك۔" (48)

یعنی: " یہ تمہارا منصب کوئی لقمہ تر نہیں ہے، بلکہ تمہاری گردن میں ایک امانت الٰہی ہے اور تم ایک بلند ہستی کے زیر نگرانی حفاظت پر مامور ہو۔ تمہیں رعایا کے معاملے میں اس طرح کے اقدام کا حق نہیں ہے۔ اور خبردار کسی مستحکم دلیل کے بغیر کسی بڑے کام ہیں ہاتھ مت ڈالنا۔ اور تمہارے ہاتھوں میں خدائے بزرگ و برتر کے اموال میں سے ایک مال ہے اور تم اس وقت تک اس کے خزانچی ہو جب تک میرے حوالے نہ کر دو بہرحال میں غالباً تمہارے لیے برا حکمران تو نہیں ہوں۔

اپنے ایک اور گورنر مصقلہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ:

"بلغنى عنك امرٌ ان كنت فعلته فقد اسخطت الٰهك ـ ـ ـ و لاتصلح دنياك بمحق دينك فتكون من الاخسرينَ اعمالا۔" (49)

یعنی: " مجھے تمارے متعلق ایک ایسے امر کی خبر ملی ہے جو اگر تم نے کیا ہے تو اپنے خدا کو ناراض کیا ہے، اور اپنے امام کو غضبناک کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس مال غنیمت کو کہ جسے ان کے نیزوں اور گھوڑوں نے جمع کیا تھا اور جس پر ان کا خون بہایا گیا تھا، تم اپنی قوم کے بدوؤں میں بانٹ رہے ہو جو تمارے ہواخواہ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر یہ صحیح ثابت ہوا، تو تم میری نظروں میں ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا پلہ ہلکا ہو جائے گا۔ اپنے پروردگار کے حق کو سبک نہ سمجھو، اور دین کو بگاڑ کر دنیا کو نہ سنوارو۔ ورنہ عمل کے اعتبار سے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگے۔

۱۲۔ حکمران کی بیت المال پر نگرانی ضروری ہے

حضرت علی علیہ السلام اسلامی حکمران کی مختلف ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہیں جن ہیں ایک اہم ذمہ داری مسلمانوں کے لیے بیت المال کی جمع آوری ہے، جس کی نگرانی حاکم ہی کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ولاينبغى لى ان ادع الجند و المصر ـ ـ ـ فى الجفير الفارغ۔" (50)

یعنی: " میرے لیے مناسب نہیں کہ میں لشکر، شہر، بیت المال، زمین کے خراج کی فراہمی، مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ اور مطالبہ کرنے والوں کے حقوق کی دیکھ بھال چھوڑ دوں اور لشکر لیے ہوئے دوسرے لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوں۔ اور جس طرح خالی ترکش میں بے پیکان کا تیر ہلتا جلتا ہے، جنبش کھاتا رہوں۔

اپنے ایک گورنر کو بیت المال کے متعلق کو ہدایت کرتے ہیں:

"و انظر الیٰ ما اجتمع عندك من مال الله۔۔۔ و ما فضل عن ذالك فاحمله الینا لنقسمه فی مَن قَبِلنا۔" (51)

یعنی: " تمہارے پاس اللہ کا جو مال جمع ہوا ہے، اسے اپنی طرف کے حاجتمندوں اور غریبوں پر خرچ کرو۔ اور فقر و فاقے اور ضرورتوں کے موقعوں کی تلاش کرو۔ اس سے جو کچھ بچ رہے، ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم اپنی طرف والوں پر تقسیم کریں۔

امام علی علیہ السلام اپنے کارندوں کے تمام حرکات و سکنات اور رفتار و کردار، حتّٰی کہ معمولی مسائل پر بھی نگرانی کرتے تھے اور ان سے پوچھ گچھ کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے والی بصرہ عثمان بن حنیف، کہ جو بصرہ کے ایک ایسے امیر فرد کی دعوت میں شریک ہوئے تھے، جس میں صرف امیر لوگ مدعو تھے اور غریب لوگوں کو کوئی دعوت نہیں تھی، کو فرمایا:

" امّا بعد یا ابن حنیف فقد بلغنی انّ رجلاً من۔۔۔ و ما ایقنْتَ بطیب وجوهٖ فَنَلْ منه۔" (52)

یعنی: " اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمہیں کھانے پر بلایا تو تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگا رنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمہارے لیے چن چن کر لائے جا رہے تھے، اور بڑے بڑے پیالے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرلوگے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دھتکارے گئے ہوں، اور دولت مند مدعو ہوں، جو لقمے چباتے ہو، انہیں دیکھ لیا کرو، اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جسے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین نہ ہو اس میں سے کھاؤ۔

آپ (ع) اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے بعد اس اُمت پر آنے والے برے حالات کی فکر کرتے ہیں:

"و انّی الی لقاء اللہ لمشتاقٌ و حسن ثوابہٖ لمنتظرٌ راجٍ و لکنّنی آسی ان یلی امر ھٰذہٖ الامّۃِ سفھاؤھا و فجارُھا فیتّخذوا مال اللہ دوَلا۔" ([53])

یعنی: " اور یقیناً میں اللہ کے حضور پہنچنے کا زیادہ مشتاق ہوں اور اس کے حسن ثواب کے لیے دامن امید پھیلائے ہوئے منتظر ہوں مگر مجھے اس کی فکر ہے کہ اس قوم پر حکومت کریں بد مغز پاگل اور بد کردار لوگ جو اللہ کے مال کو اپنی املاک بنائیں۔"

۱۳۔ حضرت علیؑ حکمرانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ عمل

حضرت علی علیہ السلام کا ایک دوست علاء ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا، جب وہ بیمار ہوا، تو آپ (ع) اس کی عیادت کے لیے گئے، تو علاء نے آپ (ع) کو اپنے بھائی کی شکایت کی، کہ اس نے تو بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے لگاؤ ہو گیا ہے۔ آپ (ع) نے اس کو سمجھایا تو اس پر اس شخص نے کہا:

" یا امیر المؤمنین ھٰذا انت فی خشونۃ ۔۔۔ ان یقدّروا انفسھم بضعفۃ النّاس کیلا یتبیّغ بالفقیرِ فقرہٗ۔" (54)

یعنی: " یا امیر المؤمنین! آپؑ کا پہناوا بھی تو موٹا جھوٹا ہوتا ہے اور کھانا روکھا سوکھا ہے۔ (اس کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا) تم پر حیف ہے میں تمہاری طرح نہیں ہوں؛ اللہ نے عادل اماموں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ فقیر لوگ اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔"

آپ (ع) نے اپنے گورنر عثمان بن حنیف کو تنبیہ کرنے کے بعد انہیں اپنی حالت و کیفیت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

"الاانّ لکلّ مأمومٍ اماماًیقتدِی بہ ویستضیئُ بنور علمہٖ۔۔۔ وحولی بطونٌ غرثٰی و اکبادٌ حرّی۔" (55)

یعنی: " تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک امام ہوتا ہے، جس کی وہ پیروی کرتا ہے، اور جس کے نور علم سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ دیکھو! تمہارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں سے دو چادروں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے۔ خدا کی قسم میں نے

تمہاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں، اور نہ ان کپڑوں کے بدلے میں کوئی اور کپڑے مہیا کیے ہیں۔۔۔ اگر میں چاہتا تو صاف ستھرے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں کے لیے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنالیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چن لینے کی دعوت دے۔ حجاز و یمامہ میں شاید ایسے بھی لوگ ہوں کہ جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو، اور انہیں پیٹ بھر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں اپنا پیٹ بھر کر سو یا رہوں اس حالت میں کہ میرے گرد بھوکے اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں۔"

مزید اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"أأقنعُ من نفسی بان یقال امیر المؤمنین۔۔۔ تکترشُ من اعلافها و تلهوعمّا یرادُ بها۔" (56)

یعنی: "کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہا جاتا ہے؟ مگر میں زمانے کی سختیوں میں مؤمنوں کا شریک نہ بنوں۔ اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے نمونہ نہ بنوں۔ میں اس لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔ یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے، وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ظلم و تعدی کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہیں کہ: "واللهِ لو اعطیتُ الاقالیم السبعة بما تحت افلاکها علی ان اعصی الله فی نملةٍ اسلبها جلب شعیرةٍ ما فعلتُ" یعنی: "خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم جو آسماں کے نیچے ہیں مجھے دیئے جائیں اس بدلے میں، میں اللہ کی اتنی نافرمانی کروں کہ چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا چھینوں تو بھی ہرگز نہیں کروں گا۔" (57)

۱۴۔ حاکم پر لازم ہے کہ لوٹے ہوئے خزانے کو واپس پلٹائے

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیت المال کے حوالے سے ایک روش یہ بھی تھی کہ غصب کیے ہوئے مال کو واپس بیت المال میں لوٹاتے تھے:

" واللہ لو وجدتُہٗ قد تزوّج بہ النّساء وملك بہ الاماء لرددتہ فاِنّ فی العدل سعۃ و من ضاق علیہ العدل فالجورُ علیہ اضیق۔" (58)

یعنی: " خدا کی قسم! اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہو تو اسے بھی واپس پلٹا دیتا۔ چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہو گی۔"

چونکہ بیت المال عوام کا مال ہوتا ہے، جس میں تمام رعایا برابر کی شریک ہے، کسی حاکم کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پاس ایک امانت ہے، ایسا نہیں کہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرے اور جس کو چاہے عطا کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ مال بیت المال میں واپس کرنا عین عدل کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

۱۵۔ بیت المال میں خیانت کرنے کے نتائج

امام علی علیہ السلام عاملین زکوۃ اور گورنروں کو ہدایت و نصیحت کرتے ہیں اور انہیں بیت المال میں خیانت کرنے کے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں کہ:

"ومَن استَھانَ بالامانۃِ و رتعَ فِی الخِیانۃِ ۔۔۔ انّ اعظم الخیانۃ خیانۃ الامّۃِ وافظع الغشّ غشُّ الائمّۃ۔" (59)

یعنی: " جو شخص امانت کو بے وقعت سمجھتے ہوئے اسے ٹھکرا دے اور خیانت کی چراگاہوں میں چرتا پھرے اور اپنے آپ کو اور اپنے دین کو اس کی آلودگی سے نہ بچائے، تو اس دنیا میں بھی اپنے آپ کو ذلتوں اور خواریوں میں ڈالا اور آخرت میں بھی رسوا و ذلیل ہو گا۔ (اور تم جان لو کہ) بے شک سب سے بڑی خیانت اُمت کی خیانت ہے اور سب سے بڑی فریب کاری اپنے اماموں سے فریب کرنا ہے۔"

بیت المال کو صحیح مقام پر تقسیم نہ کرنے کے نتائج سے اپنے عاملین زکوۃ اور گورنروں کو آگاہ کرتے ہیں:

"انّما المال مال اللہ۔۔۔ وکان لغیرہ ودّھم۔" (60)

یعنی: ”بیشک یہ مال اللہ کا مال ہے، آگاہ رہو کہ ناحق کسی کو مال عطا کرنا تبذیر اور اسراف کہلاتا ہے۔ ناحق مال عطا کرنا مال عطا کرنے والے کو دنیا میں تو بلند کرتا ہے، لیکن آخرت میں پست کرتا ہے، اور لوگوں کے اندر عزت میں اضافہ کرتا ہے، مگر اللہ کے نزدیک ذلیل کرتا ہے۔ جو شخص بھی مال کو بغیر استحقاق کے یا نااہل افراد کو دے گا اللہ اسے ان کے شکریہ سے محروم ہی رکھے گا اور ان کی دوستی و محبت بھی دوسروں کے حصہ ہی میں جائے گی۔“

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ، جلد ۴: قول نمبر ۳۲۸، ص ۸۷

2۔ نہج البلاغہ، ج ۴، قول نمبر ۲۷۰، ص ۶۵

3۔ سورہ نساء: ۳۲

4۔ سورہ نساء: ۷

5۔ سورہ حشر: ۶

6۔ الانفال: ۴۱

7۔ سورہ نور: ۵۶

8۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۱۱۰، ص ۲۱۵

9۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۱۹۹، ص ۱۷۹

10۔ نہج البلاغہ، ج ۴، قول ۱۴۶، ص ۳۵

11۔ سورہ توبہ: ۱۰۳

12۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکوتب ۵۳، ص ۹۶

13۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکوتب ۵۳، ص ۹۶

14۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکوتب ۵۳، ص ۹۹

15۔ایضاً ص ۱۰۰
16۔ایضاً ص ۸۹۔۹۰
17۔ایضاً ص ۹۰
18۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۳، ص ۹۶
19۔ایضاً
20۔ایضاً، ص ۹۰
21۔ایضا مکتوب ۲۶، ص ۲۶
22۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۵۱، ص ۸۰، ۸۱
23۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۲۵، ص ۲۳
24۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۲۵، ص ۲۳
25۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۲۵، ص ۲۴
26۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۲۵، ص ۲۴
27۔حیدر، الشیروانی، مناقب اہلبیتؑ ص ۲۱۹
28۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۲۶، ص ۲۶، ۲۷
29۔سورہ توبہ: ۶۰
30۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۲۵، ص ۲۵
31۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۲۳۲، ص ۲۲۶
32۔الکافی، ج ۸، ص ۱۸۲
33۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۲۰۵، ص ۱۸۴، ۱۸۵
34۔مکتوب ۴۳، ۶۸
35۔ نہج البلاغہ، جلد ۳، ص
36۔ نہج البلاغہ، جلد ۳، ص
37۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۲۲۴، ص ۲۱۷

38۔ایضاً
39۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۴۱، ص ۶۶، ۶۷
40۔ایضاً
41۔ نہج البلاغہ، ج ۴، قول ۴۷۶، ص ۱۰۹، ۱۱۰
42۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۵۳، ص ۸۵
43۔شرح ابن ابی الحدید، ج ۷، ص ۳۷
44۔سورۃ یوسف: ۵۵
45۔مکتوب ۵۳، ص ۹۶۔۹۷
46۔ایضا ص ۹۷
47۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۴۰، ص ۶۴، ۶۵
48۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۵، ص ۶
49۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۴۳، ص ۶۸
50۔ نہج البلاغہ، ج ۱، خطبہ ۱۹، ص ۲۳۲
51۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۶۷، ص ۱۲۸
52۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۴۵، ص ۷۰
53۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب ۶۲، ص ۱۲۰
54۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۹۰۲، ص ۱۸۸
55۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر، ص ۷۰، ۷۲
56۔ نہج البلاغہ، ج ۳، مکتوب نمبر ۴۵، ص ۷۲
57۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۲۲۴، ص ۲۱۸
58۔ خطبہ ۱۵، ص ۴۶
59۔مکتوب ۲۶، ص ۲۷
60۔ نہج البلاغہ، ج ۲، خطبہ ۱۲۶، ص ۷۔

زہد کی حقیقت

سید مزمل حسین نقوی*

خلاصہ

اسلام میں زُہد کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ زہد کو بہترین عبادت اور خیر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ دنیا میں بھی زاہد کو بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بھی زاہد کو جنت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بہت سے افراد کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ زہد، دنیا سے بے اعتنائی اور مال و دنیا سے لاپروائی کا نام ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ دنیا بھی ایک بازار ہے۔ یہاں بھی کچھ لوگ کام کرتے ہیں، لیکن وہ دنیا کے لیے نہیں ہوتا کسی اور کے لیے ہوتا ہے اور اس کا نام آخرت ہے۔ یعنی کماتے دنیا میں ہیں، لیکن فائدہ آخرت میں اٹھاتے ہیں۔ اگر آخرت مد نظر ہو تو دولت کمانا اور مال حاصل کرنا بری چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک شخص دولت مند بھی ہو اور بہت بڑا زاہد اور متقی بھی ہو۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''غنی اور بے نیازی اللہ سے ڈرنے میں بہترین معاون ہے۔'' نیز آپؐ نے فرمایا: ''بڑا ہی بے فیض ہے وہ آدمی جو اپنی لاج رکھنے، قرضہ چکانے اور عزیز رشتہ داروں کی مدد کے لیے جائز طریقے سے مال جمع کرنے کا خواش مند نہ ہو۔'' حقیقت یہ ہے کہ سرمایانہ ہو تو زندگی بے جان ہو جائے، تہذیب دم توڑ دے، تمدن میں جان نہ رہے، ترقیاں رک جائیں، خوشحالی نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو نہ ملے۔ اگر ہاتھ خالی ہو تو ہم عزت و آبرو کے ساتھ اپنی ذات اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو کیوں کر پورا کر سکیں گے۔ دراصل ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال و دولت ناپسندیدہ ہے اور جس پر نکتہ چینی بجا ہے۔ چونکہ یہی مال قانونی حدود سے تجاوز کا باعث بنتا ہے، دوسروں میں احساس محرومی پیدا کرتا ہے، طبقاتی کشمکش کو ابھارتا ہے۔ ایسے ہی مال پر سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسول) انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔'' پس معلوم ہوا کہ دنیا سے دوری اور نعماتِ الٰہی سے اجتناب کا نام زہد نہیں ہے۔ زھد کی تعریف قرآن کی روشنی میں یہ ہے کہ: جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔'' (حدید، ۲۳) رسول خداؐ کے نزدیک: '' موت کو یاد کرنا بہترین زھد ہے۔''

*۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بھارہ کہو، اسلام آباد

زہد کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ دنیا میں بھی زاہد کو بڑی عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بھی زاہد کو جنت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ گویا کہ دنیا و آخرت کے بہت سے فواہد زہد پر مرتب ہوتے ہیں۔ زہد کو بہترین عبادت قرار دیا گیا ہے اور اسے خیر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

مَاعُبِدَاللّٰہُ بِشَیءٍ اَفْضَلَ مِنَ الزُّھْدِ فِیْ الدُّنْیَا۔ (1)

یعنی: ''دنیا میں زہد سے بہتر کسی اور شے کے ذریعہ اللہ کی عبادت نہیں ہو سکتی۔''

حدیث معراج میں خداوند کریم رسول خداؐ سے فرماتا ہے:

'' اے احمد کیا آپ کو معلوم ہے کہ آخرت میں میرے پاس زاہدین کے لیے کیا ہے۔ عرض کیا پروردگار بہتر جانتا ہے۔ فرمایا لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور حساب کے لیے لایا جائے گا جبکہ زاہد افراد کو حساب سے معاف رکھا جائے گا۔ انھیں جو سب سے کم چیز عطا کروں گا وہ یہ ہے کہ جنت کی کنجیاں ان کے حوالے کردوں گا۔ وہ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ میرے دیدار اور میرے ساتھ ہمکلامی کی لذت سے محروم نہیں رہیں گے۔'' (2)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

جُعِلَ الْخَیْرُ کُلُّہُ فِیْ بَیْتٍ وَّجُعِلَ مِفْتَاحُہُ الزُّھْدُ۔ (3)

یعنی: ''ہر قسم کی بھلائی ایک گھر میں ہے اور اس کی کنجی زھد کو قرار دیا ہے۔''

مزید فرماتے ہیں کہ جب خدا اپنے بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے زاہد بنا دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

'' جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے خدا اس کے قلب کو حکمت سے بھر دیتا ہے اور حکمت کے ساتھ اسے قوت گویائی عطا کرتا ہے۔ اسے دنیا کے عیوب اور بیماریاں دکھا دیتا ہے۔ ان کا علاج بتا دیتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کی حالت میں اٹھاتا ہے اور دارالسلام تک پہنچا دیتا ہے۔'' (4)

اسی لیے رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ جب دیکھو کہ اللہ نے کسی کو زاہد بنا دیا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ وہ تمھیں بھی صاحب حکمت بنا دے گا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد خیر و برکت کی کنجی ہے۔ زہد

سے حکمت ملتی ہے۔ زہد بہترین عبادت ہے، زاہد خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرے گا۔ اسے دیدار الٰہی کی لذت نصیب ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زہد ہے کیا؟

بہت سے افراد کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوچکی ہے کہ زہد یعنی دنیا سے بے اعتنائی، مال و دنیا سے لاپروائی، دنیاوی امور سے کنارہ کشی اور لا تعلّقی۔ وہ زاہد اسے کہتے ہیں جو جوگیوں کی طرح نظر آئے۔ پھٹا پرانا لباس پہنے، لوگوں سے کٹ کر رہے۔ دنیاوی کاموں میں دلچسپی نہ لے، لذیز کھانوں سے اجتناب کرے۔ اچھے اور تازہ پھلوں کو باسی کرکے کھائے۔ اگر بیمار ہو جائے تو علاج نہ کروائے، زخم پر مکھی بیٹھ جائے تو اسے نہ اڑائے کہ کہیں مخلوق خدا کو تکلیف نہ ہو۔ مال و دولت سے دور بھاگے۔ دنیا کی مذمت کرتا ہوا نظر آئے۔ حالانکہ یہ زُہد نہیں رہبانیت ہے جس کی اسلام نے مذمت کی ہے۔

ایک شخص امام صادقؑ کے پاس آیا آپ نے اس سے حال احوال پوچھا پھر اس کے بھائی کے متعلق دریافت کیا۔ عرض کیا اس نے دنیا میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ ہر وقت نماز و دعا میں مشغول رہتا ہے۔ مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔ پوچھا اس کے بیوی بچوں کو کون سنبھالتا ہے۔ ان کی دیکھ بھال کون کرتا ہے، عرض کیا میں ان کے نان و نفقہ کا انتظام کرتا ہوں۔ فرمایا تو اس سے بہتر ہے۔ بدبخت ہے وہ انسان جس کا بوجھ دوسرے اٹھائیں یہ زھد و تقویٰ نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے ایک شخص کو دنیا کی مذمت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: اے دنیا کی برائی کرنے والے، اس کے فریب میں مبتلا ہونے والے تم اس پر گرویدہ بھی ہوتے ہو اور اس کی مذمت بھی کرتے ہو۔ اسے پسند بھی کرتے ہو اور اس کی ملامت بھی کرتے ہو۔ کیا تم دنیا کو مجرم ٹھہرانے کے حقدار ہو یا وہ تمھیں مجرم ٹھہرائے تو حق بجانب ہے۔

بے شک جو یقین کرے دنیا اس کے لیے سچائی کا گھر ہے۔ جو اس کی باتوں کو سمجھے اس کے لیے امن کی منزل ہے جو اس سے زاد راہ حاصل کرے اس کے لیے دولت مندی کی منزل ہے۔ جو اس سے نصیحت حاصل کرے اس کے لیے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ دوستان خدا کے لیے عبادت کی جگہ ہے۔ فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام ہے۔ وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء الٰہی کی تجارت گاہ ہے۔ انھوں نے اس میں فضل و رحمت کا سودا کیا اور دنیا میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کیا۔ تو اب کون ہے جو اس کی برائی کرے جبکہ اس نے اپنے بسنے والوں کو موت کی خبر دے دی۔ اپنی جدائی کا اعلان کر دیا۔ اپنی

مسرتوں سے آخرت کی مسرتوں کا شوق دلایا۔ جنھوں نے اس سے نصیحت حاصل نہ کی وہ اس کی برائی کرنے لگا اور جس نے اس سے نصیحت حاصل کی وہ قیامت کے دن اس کی تعریف کرے گا۔ (5)

حضرت امام محمد تقیؑ فرماتے ہیں:

اَلدُّنْیَا سُوْقٌ فَرَبِحَ فِیْھَا قَوْمٌ وَخَسِرَ آخَرُوْنَ۔ (6)

یعنی: ''دنیا ایک بازار ہے، ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسرے نے اس سے گھاٹا اٹھایا۔''

فرمایا دنیا بازار ہے، بازار کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں وہ بازار میں دکان کھولتے ہیں۔ اس میں سرمایہ لگاتے ہیں، پھر نفع اٹھاتے ہیں تو کیا بازار ان کے لیے بری چیز ہے؟ نہیں بلکہ اگر بازار بند کر دیا جائے تو انھیں افسوس ہوگا۔ بازار ان کے لیے ایک نعمت ہے۔ اسی بازار سے وہ اپنے لیے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ یہ کماتے بازار سے ہیں، لیکن بازار کے لیے نہیں کماتے، منافع بازار میں خرچ نہیں کرتے بلکہ گھر لے آتے ہیں۔

دنیا بھی ایک بازار ہے یہاں بھی کچھ لوگ کام کرتے ہیں، لیکن وہ دنیا کے لیے نہیں ہوتا کسی اور کے لیے ہوتا ہے اور اس کا نام آخرت ہے۔ یعنی کماتے دنیا میں ہیں، لیکن فائدہ آخرت کے لیے اٹھاتے ہیں۔ آخرت کے لیے اس دنیا سے جو جتنا فائدہ اٹھائے گا وہ اتنا ہی متقی ہوگا۔ یعنی اس دنیا سے سب سے زیادہ فائدہ متقی ہی اٹھاتا ہے۔ لہٰذا دنیا کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اگر دنیا نہ ہو تو رضائے الٰہی کیسے حاصل ہوگی۔ پس دنیا بری نہیں ہے۔ البتہ اس کی محبت بری ہے، اسی لیے حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

حُبُّ الدُّنْیَا یُفْسِدُ الْعَقْلِ وَیُصِمُّ الْقَلْبَ عَنْ سِمَاعِ الْحِکْمَۃِ وَیُوْجِبُ الْیَمَّ الْعِقَابَ۔ (7)

یعنی: ''دنیا کی محبت عقل کو خراب کر دیتی ہے، قلب کو حکمت کی باتیں سننے سے روک دیتی ہے اور دردناک عذاب کا باعث بنتی ہے۔''

دنیا میں رہیں اور اس سے محبت نہ کریں اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی کام کریں اس میں یہ خیال رکھیں کہ کہیں یہ خدا کی ناراضگی کا باعث تو نہیں بن رہا۔ مثلاً ایک شخص کاروبار کرتا ہے، دولت کماتا ہے اگر وہ اس میں حرام کام کرتا ہے، دولت کمانے کے لیے بے ایمانی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت اس کے مد نظر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ دنیا کی خاطر کر رہا ہے اور اگر سچ بولتا ہے، حلال کو مد نظر رکھتا ہے چاہے اسے نقصان بھی ہو جائے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اس کے پیش نظر

آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اگر آخرت مد نظر ہو تو دولت کمانا اور مال حاصل کرنا بری چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک شخص دولت مند بھی ہو اور بہت بڑا زاہد اور متقی بھی ہو۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَی تَقْوَی اللهِ الْغِنٰی۔ (8)

یعنی: ''غنی اور بے نیازی اللہ سے ڈرنے میں بہترین معاون ہے۔''

قرآن مجید میں کئی مقامات پر مال و دولت کو خیر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً

''کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَنِ الْوَصِیَّةُ''۔ (9)

مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خیر سے مراد مال ہے۔ یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو اگر اس نے مال ترکے میں چھوڑا ہے تو اس کی وصیت کرے۔

وَاِنَّهُ لَحُبُّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ۔ (10)

یعنی: ''وہ مال سے بڑی شدید محبت کرتا ہے۔''

نیز رسول خداؐ فرماتے ہیں:

لَا خَیْرَ فِیْ مَنْ لَا یُحِبُّ جَمْعَ الْمَالِ مِن حَلَالٍ یَکُفُّ بِهٖ وَجْهَهٗ وَیَقْضِی بِهٖ دَیْنَهٗ وَیَصِلُ بِهٖ رَحِمَهٗ۔ (11)

یعنی: ''بڑا ہی بے فیض ہے وہ آدمی جو اپنی لاج رکھنے، قرضہ چکانے اور عزیز رشتہ داروں کی مدد کے لیے جائز طریقے سے مال جمع کرنے کا خواش مند نہ ہو۔''

الکاسب حبیب اللہ روزی کمانے والا خدا کا حبیب ہے۔ رزق حلال کا حصول عین عبادت ہے۔ امیر المومنینؑ بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کرتے ہوئے التجا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صُنْ وَجْهِیْ بِالْیَسَارِ وَلَا تُبَذِّلْ جَاهِیْ بِالْاِقْتَارِ۔ (12)

یعنی: ''بارالہا معاشی آسودگی سے نواز کر میری آبرو کی حفاظت فرما اور اقتصادی کمزوری کی وجہ سے میری حیثیت گرنے نہ پائے۔''

حقیقت یہ ہے کہ سرمایا نہ ہو تو زندگی بے جان ہو جائے، تہذیب دم توڑ دے، تمدن میں جان نہ رہے، ترقیاں رک جائیں، خوشحالی نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو نہ ملے۔ اگر ہاتھ خالی ہو تو ہم عزت و آبرو کے

ساتھ اپنی ذات اپنے اہل وعیال اور کسی نہ کسی عنوان سے وابستہ دوسرے افراد کی ضروریات کو کیوں کر پورا کر سکیں گے۔ لوگ غریب و نادار شخص کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس کی باتیں بے وزن ہو جاتی ہیں۔ پھر بہت سی مالی اور نیم مالی عبادتوں کے لیے دولت کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر جس کے پاس دولت نہیں ہے وہ زکوۃ کے اجر سے محروم رہے گا۔ اسے خمس کا ثواب نہیں ملے گا۔ حج و عمرہ اور زیارات کی سعادت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

دراصل جو مال و دولت ناپسندیدہ ہے اور جس پر نکتہ چینی بجا ہے وہ اس نوع سے تعلق رکھتی ہے جس کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کیے جائیں۔ جو قانونی حدود سے تجاوز کا باعث بنے فساد کا موجب بنے۔ دوسروں میں احساس محرومی پیدا کردے، طبقاتی کشمکش کو ابھارے، معاشرتی سکون کو تہس نس کردے یا ایسی دولت بھی وبال جان ہے جو جائز ذرائع سے حاصل کی ہے، لیکن خرچ نہیں ہو رہی۔ دولت اکٹھی کرنے والا نہ اپنے اوپر صرف کر رہا ہے نہ دوسروں کو دینے کے لیے تیار ہے۔ انہی کی سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (13)

یعنی: " اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسول) انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔"

لیکن اگر انسان اسی مال سے راہ خدا میں بھی کچھ دے دے تو دنیا میں بھی خوش بخت ہے اور آخرت میں بھی خوشی اور سعادت کا باعث بنے گی۔ عبدالاعلیٰ کہتے کہ ایک دن شدید گرمی تھی میں نے دیکھا کہ مدینہ کے باہر امام صادقؑ کھیتی باڑی میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں، آپ آل رسولؐ ہیں، خدا کے نزدیک آپ کا بہت بڑا مقام ہے آپ کو زیب نہیں دیتا کہ اتنی گرمی میں دنیا کے لیے اتنی محنت کریں۔ فرمایا اے عبداللہ الاعلیٰ میں روزی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں تاکہ تم جیسے افراد سے بے نیاز ہو جاؤں۔

امیر المومنینؑ اپنے ایک صحابی علاء بن زیاد کے گھر گئے جو کہ بہت بڑا تھا۔ اسے دیکھ کر فرمایا دنیا میں اتنا بڑا گھر بنا کر کیا کروگے جبکہ آخرت میں تجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہاں اگر تو چاہے تو اسی گھر سے آخرت کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں مہمانوں کو لایا کرو، رشتہ داروں کو بلایا کرو، اسی طرح اپنے حقوق ادا کرو

جب تم ایسا کروگے تو اس کے ذریعے آخرت کو پالوگے۔ اسی علا بن زیاد نے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کی۔ پوچھا کیا ہوا کہنے لگا اس نے ایک عبا پہن لی ہے دنیا سے کنارکش ہو گیا ہے۔ فرمایا اسے میرے پاس لے آئو۔ جب وہ آئے تو فرمایا اے دشمن جان شیطان نے تم پر پنجے گاڑ دیئے ہیں تمھیں اپنے بیوی بچوں پر رحم نہیں آتا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے ظاہری طور پر ان پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا ہے اور حقیقت میں وہ نہیں چاہتا کہ انھیں استعمال کیا جائے۔ تم اللہ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمھارے لیے یہ چاہے۔

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگا: اے امیر المومنینؑ آپ ہمارے امام اور پیشوا ہیں، آپ کھردرا اور سخت لباس پہنتے ہیں، سادہ کھانا کھاتے ہیں، لہٰذا ہم بھی آپ کی اقتدا کرتے ہیں، فرمایا: افسوس ہے تم پر میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ خدا نے حق کے ائمہ کے لیے واجب قرار دیا ہے کہ وہ اس طرح رہیں اور فقراء کی طرح زندگی گزاریں تاکہ فقراء اپنے فقر کی وجہ سے خدا کی نافرمانی نہ کریں۔ (14)

پس معلوم ہوا کہ دنیا سے دوری اور نعماتِ الٰہی سے اجتناب کا نام زہد نہیں ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِاضَاعَةِ الْمَالِ وَتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ بَلْ الزُّهْدُ فِيْهَا اَنْ لَاتَكُوْنَ مَافِي يَدِكَ اَوْثَقُ بِمَا عِنْدَاللهِ۔ (15)

یعنی: ”مال کو گھٹیا شمار کرنا اور حلال کو حرام قرار دینے کا نام زہد نہیں ہے بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اسے قابل اعتبار سمجھے جو خدا کے پاس ہے۔“

یعنی اپنے تعلقات، اپنی سماجی حیثیت، اپنی دولت اور اپنی قوت پر بھروسہ نہ کرے بلکہ خدا پر بھروسہ کرے، یہی زہد ہے۔ رسول خداؐ نے جبرائیل سے زہد کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا:

الزُّهْدُ مَنْ يُحِبُّ مَنْ يُحِبُّ خَالِقُهٗ وَيُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهٗ۔ (16)

یعنی: ”زاہد وہ ہے جو اس شے سے محبت کرے جس سے اس کا خالق محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرے جس سے اس کا خالق نفرت کرتا ہے۔“

پس زہد یہی ہے کہ جس سے خدا محبت کرتا ہے اس سے محبت کی جائے جس سے خدا نفرت کرتا ہے اس سے نفرت کی جائے۔ جس طرح خدا علم سے محبت کرتا ہے، نیکی سے محبت کرتا ہے، محمد وآل محمدؐ سے

محبت کرتا ہے تو بھی نیکی علم اور محمد وآل محمدؐ سے محبت کرے گا یہی زاہد ہو گا۔ جس طرح خدا جہالت سے نفرت کرتا ہے بے حیائی سے نفرت کرتا ہے، دشمنان دین سے نفرت کرتا ہے تو جو ان چیزوں سے نفرت کرے گا وہی زاہد ہے۔

امیر المومنینؑ سے جب زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا قرآن نے دو کلموں میں زہد کی تعریف کی ہے۔ سورہ حدید آیت ۲۳ میں خدا فرماتا ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ۔ (17)

یعنی: " تاکہ جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔"

مثلاً اگر کسی کی کوئی چیز ضائع ہو گئی ہے، کچھ پیسے کھو گئے ہیں، گھر منہدم ہو گیا ہے تو اس پر افسوس نہ کرے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو دکھ نہیں ہونا چاہیے۔ نقصان پر دکھ کا ہونا ایک فطری چیز ہے مراد یہ ہے کہ ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہیے۔ ہر ایک کے سامنے اظہار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خدا سے امید رکھنی چاہیے کہ وہ اس نقصان کے بدلے یقیناً کسی عظیم نعمت سے نوازے گا۔ وہ کریم ذات ہے اور دے گا اور جو چیز مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔ خوشی بھی فطری چیز ہے۔ دولت ملنے پر، انعام نکل آنے پر کاروبار پھیلنے پر، خوشی تو ہوتی ہے، مراد یہ ہے کہ مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے۔ مزید فرماتے ہیں:

اَلزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قِصَرُ الْاَمَلِ۔ (18)

یعنی: " کام کاج کرتا نہیں ہے، ہاتھ پاؤں چلاتا نہیں، سارا دن بے کار پھرتا ہے لیکن بڑی بڑی آرزوئیں کرتا ہے یہ زہد کے منافی ہے۔"

رسول خداؐ فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا ذِكْرُ الْمَوْتِ۔ ([19])

یعنی: " موت کو یاد کرنا بہترین زھد ہے۔"

*****

حوالہ جات

1۔ متقی ہندی، کنزالعمال، ج ۳، ص ۲۰۳، ح ۶۱۷۶۔
2۔ مجلسی، بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۲۵۔
3۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۱۲۸۔
4۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۱۲۸۔
5۔ نہج البلاغہ، حکمت ۱۳۱۔
6۔ ابن شعبۃ حرانی، تحف العقول، ص ۴۸۳۔
7۔ علی بن محمد واسطی، عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۳۱۔
8۔ کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۷۱۔
9۔ بقرہ/ ۱۸۰۔
10۔ عادیات/ ۸۔
11۔ کلینی، کافی، ج ۵، ص ۷۲۔
12۔ قطب راوندی، الدعوات، ص ۱۳۳۔
13۔ توبہ/ ۳۴۔
14۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۰۷۔
15۔ شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۲۲۷
16۔ شیخ طریحی، مجمع البحرین، ج ۲، ص ۴۹۶۔
17۔ نہج البلاغہ: ۴۳۹۔
18۔ کلینی، کافی، ج ۵، ص ۷۱۔
19۔ متقی ہندی، کنزالعمال، ج ۱۵، ص ۵۵۵، ح ۴۲۱۰۴۔

الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)

کی مطبوعات

ردیف	کتاب کا نام	مترجم	قیمت/روپے
۱۔	حیات فاطمہؑ	حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی	175
۲۔	انوار فاطمیہ	حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی	30
3۔	تعلیم الاحکام	حجۃ الاسلام منیر حسین خان	ایڈیشن ختم
۴۔	سول سوسائٹی	حجۃ الاسلام ادریس احمد علوی	250
۵۔	امام خمینیؒ کی مغربی دانشور سے ایک ملاقات	ملک اعجاز حسین	ایڈیشن ختم
۶۔	اسلامی پردہ (اعتراضات و جوابات)	حجۃ الاسلام ضیغم ہمدانی	50
۷۔	حضرت زینبؑ، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار	ملک اعجاز حسین	40
۸۔	امام خمینیؒ کا سیاسی نظریہ	شیخ عبد الستار	150
۹۔	قرآن اور نفسیاتی دباؤ	حجۃ الاسلام غلام جابر محمدی	275
۱۰۔	معجزہ کیا ہے؟	محمد باقر سعیدی روشن	290
11۔	قرآن اور پلورلزم	سید سجاد حسین کاظمی	250
	نورِ معرفت	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات	500سالانہ

کتاب منگوانے کے لیے درج ذیل پتہ پر مطلوبہ کتاب کا نام اور منی آرڈر کی رسید ارسال کریں۔
مکمل سیٹ منگوانے پر 25 فیصد رعایت دی جائے گی۔

پتہ: نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (**نمت**)/سادات کالونی/ بارہ کہو/اسلام آباد

فون نمبر: 0512231937/ 03015147312

ای میل: noor.marfat@gmail.com

The Observations

S. Rameez-ul-Hassan Mosvi

(Editor Noor-e-Marfat; Research Scholar, Islamabad)

The reasons of the blasphemy of Holy prophet through a film, supported by imperial forces, are obvious upon all intellectuals. The global imperialism is using media force against Divinity, prophet hood and all Islamic teachings. In this situation what is our responsibility? We think the responsibility lies here both upon the general Muslim public as well as upon their religious and political leaders and rulers.

As belong to general class, Pakistani Muslims have held the best protest rallies and processions along with the Muslim world and thus they have fulfilled their duty. Although some immoral activities and actions were observed during these rallies that are a sign of our non-conscious, and immature moral and political thought; but in fact, such poor actions were done by the "5th pillar" of our society, who works for the interests of America and Zionists.

As belong to the religious and political leaders, their first responsibility is to build more religious, moral and political awareness among general Muslim public and create unity among all Muslim sects. In such a situation, we think the first nationwide conference of editors of religious and political periodicals organized by NSC (National Solidarity Council) is a significant step. It seems Solidarity Council is sincerely planning to create unity among all Muslim sects and circles. Although the text of the Joint Declaration of the Conference reflects the sincere thought and commitment; but more the remaining steps are still needed.

The Reality of the Good Deeds of Non-Muslims

Saqib Akbar

(Chairman Al-Basira,Resaeach Scholar, Islamabad)

Whether the good deeds of non-Muslims attain the degree of acceptance before God or not? Although there are arguments both in affirmation and in negation of this question, the measure for judging anyone's deeds as established in the Qur'an is:

"Of course, whosoever submits his face to Allah, and is good in deeds, will have his reward with his Lord..."

It means that if a good action is done in pure submission to God, it becomes rightly eligible for a reward. Here it is also very clear that a person, who performs a good action merely for the sake of its benefit and reward in this world, gets no recompense in the hereafter. The holy Quran Says:

"Whoever opts for the immediate (benefits from) life herein, We give him, right here in this life, as much as We will, to whomever We intend. Then We assign Jahannam for him where he shall enter condemned, discarded..."

Similarly, for the person who is a deliberate infidel, meaning someone who knowingly denies submitting to the Truth or the ultimate reality, there is a consensus among Muslims that no good deed of such a person will be acceptable.

One thing on which the Muslim sages/scholars agree is that people who lack a submissive soul and who deny the Truth albeit it has become evident to them, and obstinately remain insistent upon "I don't agree" kind of way, are the ones who remain deprived of redemption.

However, in case of a non-believer who has been incapable in finding the truth, though is in search of it, and possesses a submissive soul, verily before Allah ta'ala, the prerequisite of deliverance and remission is only a sound heart:

"...except to him who will come to Allah with a sound heart..."

Here a question that arises is what is the difference between an incapable nonbeliever and a believer with respect to the reward? The answer is that there is a great difference between their good actions. The profundity of faith that sprouts from giving credence to the Prophet (SAWW) and through following him (SAWW) cannot be attained by any non-Muslim.

Therefore, the profoundness of faith in the deen brought by the Prophet (SAWW) and the excellence and reward of following in his footsteps cannot be achieved by a non-believer.

Quran and the Seal of Prophetic Chain

Syed Hasnain Abbas Gardazi

(Chairman Noor-ul- huda Trust, Principal Jamia-tur-Raza, Islamabad)

The issue of seal of prophetic chain which is among the essentials of the Islam is based upon three important factors, viz: 1) Islam is a universal, eternal and living religion. 2) The holy Quran and its teachings are free from all sorts of distortions. 3) The religion Islam is in accordance with the human nature.

The proof of the first factor i.e. of Islam being a universal, eternal, and living religion is that the Prophet (SAWW) wrote letters to the rulers of various nations through which it is evident that Islam is a global and universal religion. Moreover, the masses have been addressed in the Quran as "Ya Ayyuhan-naas" (O mankind) or "Ya Bani Adam" (O sons of Adam) and the teachings of Quran are declared to have been sent for "An-naas and Al-'Aalamiin" (mankind and worlds/universes). The Quran has also invalidated affiliation with any one particular era.

The proof of the second factor of the seal of prophetic chain is that God Himself has declared in the Quran:

"We, Ourselves, have sent down the Dhikr (the Qur'an), and We are there to protect it."

This verse is invalidating a crucial function of innovation which is lexical distortion. This aspect of the sealing of prophetic chain in reality shows the evolution of collective human consciousness which makes evident the fact that humans are incapable of protecting the teachings of the religion let alone capable of spreading its message or teachings.

The exposition of the third constituent of the seal of prophetic chain is that the religion is an essential part of human nature, and Islam is the only religion that is

exactly in accordance with human nature. Now since human nature is same in all individuals, the way to human evolution is same; pre-established. Because the beginning and end of the man is same and pre-destined, therefore, there remains no room for any other religion beside Islam. Hence, Allah says in the Quran: "This is My path that is straightforward. So, follow it, and do not follow the (other) ways". As result prophetic chain is sealed for ever.

The Concept of Kufr and Kafir, According to Ahlul-bait school of thought

S. Rameez-ul-Hassan Mosvi

(Editor Noor-e-Marfat; Research Scholar, Islamabad)

What is the concept of Kufr and Kafir, this is a controversial debate among different Muslim sects and schools of thought. This concept of Kufr and Kafir (Non-Muslim) has been also used as a tool by the enemies of Muslim unity. The lack of tolerance between fundamental Muslim groups is another factor that distorted this concept. As a result the Muslim unity has been divided into sub-sects and schools of thought, even that some sects declare other Muslims as Kafir. In this article the concept is perused in the light of ***Imamian Fiqh*** (jurisprudence).

According to Imamians, only the person could be declared as a Kafir (Non-Muslim) who denies Allah s' Existence, His Oneness, His only being able to be worshiped; or denies the prophet hood of the Holy Prophet Muhammad (SAWW), seal of prophetic chain after Him, or denies anyone of the common and compulsory commands of Islam such as, Namaz, Hajj, Zakat etc; if this denial results in the denial of prophet hood of the Holy Prophet Muhammad (SAWW).

The term Kufr is used in Quran and Sunnah, in some other meanings too; such as denying the Good blessings, distorting divine laws in accordance with personal desires, disobeying the commands of Islam, insisting upon the sins and evil actions, loving the enemies of Ahlul-Bait (A.S) etc. So Kufr is divided into Kufr of ignorance; Kufr of denial; Kufr of enmity, Kufr of Nifaq and ...

But according to ***Imamian Fiqh*** (jurisprudence) the specific commands and decisions of Islam about Kafir, are particular only with thr first three mentioned types of Kufr. So if someone is Kafir in any other sense, he still remains within the circle of Islam and doesn't exit from it.

A Brief Introduction of the Life and teachings of Imam Ali Raza (AS).

Dr. Sheikh Muhammad Hasnain

(Director NMT, Research Scholar, Islamabad)

Imam Raza (A.S) was born on 11 Dilqada in 148 H, and was martyred in 203 H, at 55 years of age. Imam (A.S)spent last 3 years of his life in Toos (Khurasan). Due to his continuous and untiring defence and representation of Islam, one of Imam s' titles became Aalim-e-Aal-e-Mohammad. Although Mamoon tried his level best to challenge the scholarly status of Imam (A.S) through dialogues with other scholars, but these dialogues only revealed the greatness and superiority of Imam (A.S) on all the participants.

A deep impression of humbleness and simplicity on his character, spending the more of night time in Ibadah, prostrating for a long time in the service of Allah, Reciting Quran so much, asking Allah for his forgiveness if reached to some verse describing Hell and torments given by Allah, preferring Salah on its earliest time, Never sitting with stretched legs before others, neither using offensive language with anyone are some of the manifestations of spirituality of Imam Raza (A.S)

As belongs Imams' his glorious teachings, his one of the most important teaching is about Imamat (The religious leadership and governing authority after the Holy Prophet). From the viewpoint of Imam Raza, Imam has God gifted religious authority after prophet. He defends religion from distortation. According to Imam Razas' teachings, it is compulsory for all his followers to get education and the deep knowledge of their religious teachings and to teach others, and all the people will follow the path of Ahl-ul-Albait (A.S) if they become aware of the values and worth of their teachings.

Mehdawiyat : A Unifying Factor

Dr. Zahid Ali ZAhidi

(Islamic Studies Department KU, Karachi)

The Muslim world is waiting for Imam Mehdi(A.S.) and there is no disagreement among muslims on this issue. The issue is so important that there are regular chapters on it almost in all the collections and books of Ahadith. The following text describes the common elements between Shia and Sunni on the concept of Mehdawiyat.

It is quoted in both Shia & Sunni books that one who denies the arrival of Mehdi is a disbeliever, and one who denies the resurrection of Isa A.S is a disbeliever, and one who denies the arrival of Dajjal, is also a disbeliever.

Imam Mehdi A.S is a personality rather than a character. All agree that he is from the offspring of Prophet P.B.O.H, from Hazrat Ali- o- Fatima A.S.

Therefore an easy way to judge those, who claim to be Imam Mehdi A.S, is to check their pedigree.

Imam Mehdi A.S. will establish a uniform system in the entire world after his arrival.

The description about the appearance and visage of Imam Mehdi A.S. is also somewhat similar in both Shia & Sunni books e.g. Hakim Neshapuri describes the visage of Imam A.S. just as it is described in Behar ul Anwar. There is also an agreement on the belief that Hazrat Isa A.S. would offer prayers in the Imamat of Imam Mehdi A.S.

There is also a consensus on the fact that the grounds will be prepared for the appearance of Imam Mehdi A.S. even if there is only one day left from the end of this world.

Imam Mehdi A.S. will take pledge (Bai't) from people between the place of Rukn-wal-Maqam.

Some signs of appearance of Imam Mehdi A.S. are also similarly described in all the Muslim books e.g. the establishment of an Islamic state in Khurasan. The arrival of sufyani and his group in (Sham) Syria, exactly at the time of arrival of Khurasani (who would set off with his army assist Imam)

There will be (economic) prosperity in the world after the establishment of a global Islamic state by Imam Mehdi A.S.

In the light of these points, Mehdawiyat should be considered as an important unifying factor among Shia & Sunni people.

The Attributes of Imam in the Light of Nehjul Balagha

Professor Roshan Ali.

(Assistant Professor, Model Colleges wing, Islamabad)

The word Imam is derived from 'um' meaning 'leader of the nation', 'guide' or 'mentor'; as it is quoted in Quran:

'and we made them imam who guided people by our command.'

In the lexicon of jurisprudence 'Imamat' is defined as: "A general leadership in the lieutenancy and deputyship of the Prophet (SAWW) in all the matters of Deen-o-Dunya (life herein and hereafter)." Thus it is known that Imamat is a kind of guidance, leadership and headship, which is bestowed upon by Allah. The attributes of Imam and Imamat as described in Nehjul Balagha are as follows:

The presence of Imam is mandatory in all periods. Imam must belong to the family of Quraish. Imam has a scholarly supremacy, and is assigned by Allah. According to Hazrat Ali A.S. Imam is endowed with these qualities: he is a custodian of divine secret, a protection of religion, mine of knowledge, source of divine wisdom, a guard of divine books and a pillar of religion.

Imam is the life of knowledge, and is a death of ignorance, in other words he revitalizes knowledge and ends up ignorance. He is humble, all knowing, and is alike in appearance and reality. Aimma-e-Deen A.S. (leaders of religion) are the embodiment of wisdom even in their silence. They are the guardians of righteousness, and pillars and protectors of religion. They are the enemies of falsehood and the source of guidance. Similarly, Imam is a door to the knowledge of Prophet SAWW.

Imam is impartial, and generous, rather than being a miser or ignorant nor he is cruel or wayward. Imam is not one who accepts bribe. He is not one who violates Sunnah

rather he revitalizes Sunnah. Imam has a political insight and in the field of politics his political abstinence is also very prominent above all. People are convinced of his piety and holiness, he is not one who is arrogant, and he always remains firm on the way of righteousness.

The Reality of Zuhd (Abstinence)

Syed Muzzammil Hussain Naqvi

(Research Scholar at Albiserah, Islamabad)

Zuhd (abstinence) is of crucial importance in Islam. It has been regarded as a great virtue. A zahid (someone who is abstinent) is held in high respect in this world, and in the hereafter he has been declared to deserve paradise. But many people have a misconception that zahid is someone who has an aversion to the world and is indifferent to worldly possessions.

However, this is not the case. This world is a marketplace. Some people work here but their works are not for this world, but rather for another which is termed as the hereafter. Meaning, they earn in this world, but benefit from their earning in the next. If the life hereafter is one's priority, then earning money and wealth is not an abhorrent act. It may be that a person is quite wealthy and yet is a zahid. The Prophet (SAWW) has said:

"How unfortunate is a man who does not desire to save money by lawful means for his own sustenance, for paying off his debts and for helping his relatives in need."

In reality, live would be impossible if there is no livelihood, traditions would fade away, customs would die down, and all development would cease, and no one would find a trace of anything that one may regard as happiness. How is it possible to fulfill one's necessities of life respectability when the means of living are lacking?

In fact, money or wealth earned through illegal means is loathed and deserves to be criticized. The reason being that it is this type of wealth that causes people to go beyond lawful limits, creates inferiority complexes in people and

highlights the status consciousness. To give warning regarding such wealth, Allah ta'ala says:

"As for those who accumulate gold and silver and do not spend it in the way of Allah, give them the good news of a painful punishment"

Therefore, it becomes clear that zuhd doesn't mean distancing or having an aversion to the Divine blessings. Zuhd, as defined in the Quran, means:

"so that you may neither grieve on what has escaped you, nor over-exult on what He has given to you."

سہ ماہی **نور معرفت**

ممبر شپ فارم

نام:_____ تعلیم: _____

پیشہ:_____ فون نمبر:_____

پتہ:_____

_____

E-mail:_____

براہ کرم سال_____ کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار:_____

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر_____ کی ممبر شپ برائے سال_____ کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کر دیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر:_____ تاریخ اجراء:_____ ممبر ساز:_____

نوٹ: مجلّہ کا 2015ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ:/500 روپے اور فی شمارہ:/130 روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الہدیٰ مرکز تحقیقات/نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون: 051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com

ISSN 2221-1659

Quarterly

Religious Research Journal

Noor-e-Marfat

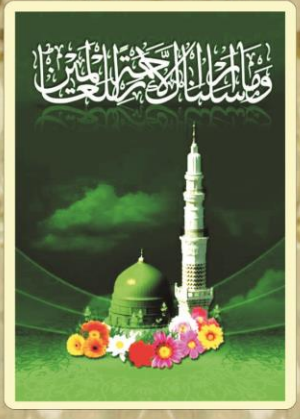

"نمت" (نورالہدیٰ مرکز تحقیقات)

نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد

www.nmt.org.pk